ڈاکٹر حسن رضا خاں

پاسبان ملت

حیات و خدمات

ادارہ فروغ اسلام سلطان گنج پٹنہ ۶

پاسبانِ ملّت

حیات و خدمات

ڈاکٹر حسن رضا خان
(استاذ ادارۂ تحقیقات عربی و فارسی پٹنہ)

ناشر

ادارہ فروغ اسلام سلطان گنج
پٹنہ ۶

کتاب ـــــ پاسبان ملت حیات وخدمات
مصنف ـــــ ڈاکٹر حسن رضا خاں
خوشنویس ـــــ عبدالمنان صاحب برکاتی
اشاعت ـــــ باراول ـــــ ۱۹۹۲ء
تعداد ـــــ گیارہ سو (۱۱۰۰)
قیمت ! ـــــ ۳۰ روپئے

ملنے کے پتے

۱: ادارہ فروغ اسلام۔ سلطان گنج۔ پٹنہ ۶
۲:۔ دارالعلوم غریب نواز۔ مرزا غالب روڈ الہ آباد ۳
۳:۔ ادارۂ شرعیہ۔ مدینہ مسجد۔ موسیٰ قلیعے دار اسٹریٹ
ہنس روڈ۔ بائیکلہ بمبئی
۴۰۰۰۱۱
۴:۔ غوثیہ پبلشر۔ مرزا غالب روڈ
الہ آباد ۳

فہرست مضامین

اِنتسَابْ

عالم اسلام کی عظیم علمی و روحانی

شخصیت شہزادۂ اعلیٰ حضرت، سیدی

مفتیٔ اعظم ہند، محمد مصطفٰے رضا خاں

علیہ الرحمۃ والرضوان کے نام

مُحتاجِ کرم

حسن رضا خاں

تقدیم

فنِ خطابت کا تاجدار، جو ایک طویل عرصے تک ہندوستان کے مذہبی افق پر آفتاب بن کر چمکتا رہا۔ جسنے اپنی تقریروں کے ذریعہ، عشقِ رسول کی دولت تقسیم کی۔ ہوا کے دوش پر محبت مصطفےٰ کا چراغ جلایا۔ اور نہ معلوم کتنے دلوں کی تاریکیاں، اجالوں میں تبدیل ہو گئیں۔

جماعت کا وہ عظیم الشان مناظر، جس کی گھن گرج سے باطل کے ایوانوں میں زلزلے پڑ گئے۔ دلائل کے انبار سے مقابل کی کمر خم ہو گئی اور "جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ" کا نمونہ دیکھنے کو ملا۔

ملت کا وہ صاحبِ طرز قلمکار، جس نے اپنی تحریروں سے وفاداری کا لباس پہنے ہوئے دین کے غداروں کو ایسا بے نقاب کیا کہ، فرطِ ندامت کے سبب، ان کی آنکھوں سے "خون کے آنسو" رواں ہو گئے۔ "قہر آسمانی" کی بجلی ٹوٹ پڑی۔ باطل کا "شیش محل" چکنا چور ہو گیا۔ راز ہائے سربستہ منکشف ہو گئے، اور ان "انکشافات"، سے دنیا کو پتہ چلا کہ "مجرم کون ہے"؟

اپنے نبی کا ایسا عاشق کہ بھری محفل میں نبی زادے کا قدم چوم لے۔ نہ اپنی عظمت کا خیال ہو نہ اپنی شہرت کا۔ نہ حسن خطابت کا زعم ہو نہ طرز تحریر کا۔ اسلئے کہ عاشق نہ تو زمانے والوں کو

دیکھتا ہے نہ ان کی سنتا ہے ۔ اس کے سامنے تو بس محبوب کا رخ روشن ہوتا ہے ، اس کے اوصاف حمیدہ ہوتے ہیں ، اور اس سے نسبت رکھنے والی چیزیں ۔

اسکی طویل ترین تبلیغی زندگی میں نہ معلوم کتنی بار حالات بدلے حالات کے تقاضے بدلے ، تقریروں کا مزاج بدلا ، قلم کے تیور بدلے مگر وہ اپنے موقف پہ ڈٹا رہا ۔ ایک انچ بھی ادھر ادھر نہ ہوا ۔ اس نے ہر حال میں عشقِ رسول کا درس دیا ۔ محبت کی بات کی اور قوم کے ہر دکھ درد کا مداوا عشقِ رسول کو قرار دیا اور بتایا کہ حالات کیا ؟ تسخیر کائنات کا واحد ذریعہ محبت رسول ہے ۔

خوش مزاجی کا مجسمہ حسن اخلاق کا پیکر ، ان سے جو ایک بار ملا ، زندگی بھر ان کا خطبہ پڑھتا رہا ۔ شہرت و مقبولیت کی چوٹی سر کر لینے کے باوجود اتنا منکسر المزاج کہ بتانا نہ پڑے کہ شاخ ثمر دار کسے کہتے ہیں ۔

سنی سنائی بات نہیں ، مشاہدہ ہے ۔ تقریباً ۶ سال سے راقم الحروف دار العلوم غریب نواز میں تدریسی خدمات انجام دے رہا ہے ۔ ہم نے دیکھا ہے ، جب بھی تعلیمی سال کا آغاز ہوتا ہر مدرس کے کمرے میں خود تشریف لے جاتے ، ہر ایک سے دریافت کرتے ، کوئی ضرورت ؟ کوئی تکلیف ؟ کوئی استاذ سفر سے واپس آتا تو فرماتے " آج آرام کیجئے ، سفر کی تکان ختم ہو جائے جب پڑھائیے گا "

انھوں نے ہر مدرس کو اپنا رفیق کار سمجھا ، ملازم کبھی نہ سمجھا جب بھی اپنے تقریری دورے سے واپس ہوئے اساتذہ کو ضرور

یاد کیا۔ اور موسم کے مطابق کبھی امرود سے کبھی خربوزے سے کبھی آم سے کبھی چھولوں سے ضرور ضیافت کی، کھانے کی کم البتہ کھلانے کی فکر ہمیشہ زیادہ رہی۔

آج سے ۲۷ سال پہلے جس نے دین کی ٹھوس تعلیم کے لئے الٰہ آباد کی دھرتی پر دارالعلوم غریب نواز کے نام سے ایک ادارہ کی بنیاد ڈالی اس کی تعمیر و ترقی کے لئے اپنا خونِ جگر پیش کیا۔ دیکھتے دیکھتے یہ ادارہ ملک گیر شہرت کا حامل ہوگیا۔ اور آج اس کا شمار ہندوستان کے چند گنے چنے مدارس میں ہے۔ یہاں کے فارغ التحصیل سینکڑوں علماء ملک کے اطراف و جوانب میں دین متین کی نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اور اب بھی طالبان علوم دین کی بھاری تعداد، ذی صلاحیت اساتذہ کے زیر سایہ اپنی علمی تشنگی بجھانے میں شب و روز مصروف ہے۔

کلمہ اور نماز کا پیارا نام لے کر ایمان و عقیدہ پر شبخون مارنے والوں کی ٹولیاں حشرات الارض کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ہمارے اکابرین نے اپنی روشن تحریروں کے ذریعہ بے ایمانوں کے فریب کا پردہ بہت پہلے ہی چاک فرما دیا ہے۔ مگر جماعت میں تنہا شخصیت ہے علامہ نظامی کی، جس نے "لوہے کو لوہا کاٹتا ہے" کے اصول پر ایمان و عقیدہ کے تحفظ کے لئے آل انڈیا سنّی تبلیغی جماعت کی بنیاد ڈالی۔ اس کا دائرۂ کار اگرچہ پورے ملک میں وسیع نہ ہو سکا۔ تاہم کچھ صوبوں میں خصوصاً راجستھان مہاراشٹر میں یہ تنظیم نمایاں خدمات انجام دے رہی ہے۔

اسلام کے عائلی نظام کو عام مسلمانوں کی زندگی میں رائج

کرنے کے لئے ۔ طلاق، نکاح، فسخ، اوقاف، وراثت جیسے
مسائل کے حل کیلئے بمبئی میں "ادارۂ شرعیہ مہاراشٹر و گجرات" قائم
کیا۔ آج جس سے ہزاروں مسلمان مستفید ہو رہے ہیں۔
علاوہ ازیں ایک طویل سلسلہ ہے مدارس اور تنظیموں
کا جن کا وجود حضرت ہی کا مرہون منت ہے۔
آج جب ہمارے درمیان سے ایسا ہمہ گیر شخص چلا گیا
تو کہنا پڑتا ہے کہ جانے والا اکیلا نہیں گیا ہے بلکہ اپنے ساتھ ساتھ
ایک بلند بانگ خطیب کو، ایک عظیم قلمکار کو، ایک زبردست مناظر کو
ایک محبوب رہنما کو، ایک بے مثل مفکر کو، حسن اخلاق کے ایک
پیکر جمیل کو لیتا گیا ہے۔ جب تک رہا اپنے جلو میں ایک انجمن لئے
رہا۔ اور جب گیا تو وہ انجمن بھی چلی گئی۔
اب ہماری اخلاقی ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے محبوب رہنما کے
زرّیں خدمات کو خراج عقیدت پیش کریں۔ ان کے تحریری و
تقریری، ملّی اور سماجی کارناموں کو منظر عام پر لائیں اسلئے نہیں
کہ لوگوں میں ان کا تعارف ہو سکے۔ بلکہ اسلئے کہ اپنے محسن کے
احسانات کا حق ادا ہو۔ اور آنے والی نسل ان کے کارناموں سے
آشنا رہے۔
ماضی میں احسان فراموشی کا جرم ہم بہت کر چکے ہیں۔ بیچنے
والوں نے تو مٹی کو سونا بتا کر بیچ دیا۔ ہمارے سونے کو کوئی
سونا ماننے کو تیار نہیں۔

قابل مبارکباد ہیں، مفکر اسلام ڈاکٹر حسن رضا خاں صاحب۔

لکچرار ادارۂ تحقیقات عربی و فارسی پٹنہ (بہار) جنھوں نے بڑے سلیقہ سے حضور پاسبان ملت کے حیات اور کارناموں پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا نام دنیائے سنیت میں کوئی نیا نہیں ہے ایک سحر انگیز خطیب کی حیثیت سے ہندوستان کا گوشہ گوشہ آپ سے متعارف ہے۔

آج اگرچہ دنیا کے متعدد جامعات میں مجدد دین وملت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ پر تحقیقی کام ہو رہا ہے۔ مگر یونیورسٹی کی دنیا میں ایک زبردست اسکالر کی حیثیت سے متعارف کرانے اور ان کے تفقہ پر تحقیقی مقالہ لکھ کر "پٹنہ یونیورسٹی"، سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لینے والے آپ دنیا کے پہلے اسکالر ہیں۔

مذکورہ تحقیقی مقالہ "فقیہ اسلام"، کے نام سے پہلی بار ہندوستان میں اور دوسری بار، سعادتِ لوح وقلم، ماہر رضویات پروفیسر مسعود صاحب کے وقیع مقدمہ کے ساتھ پاکستان میں شائع ہوا۔

یہی وہ مقالہ ہے جس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی زندگی کے ایک اہم گوشہ پر بہت حد تک کامیاب کوشش ہے۔

عصری اسلوب میں اسلام وسنّیت کی نشرواشاعت کیلئے ابھی ایک سال پہلے آپ نے بہار کی راجدھانی پٹنہ میں فروغ

اسلام" کے نام سے ایک ادارہ کی بنیاد ڈالی ہے۔ جس کے پلیٹ فارم سے دین وسنیت کی گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اللہ رب العزت موصوف کے علم و عمر میں برکتیں عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد مجاہد حسین رضوی

ایم۔ اے

استاذ دارالعلوم غریب نواز۔ الہ آباد۔ ۲۰ مئی ۱۹۹۲ء چہارشنبہ

ابتدائیہ

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کیلئے

کسی کا بہت مشہور مصرع ہے

ع وہ اپنی ذات سے اک انجمن ہے

میں بلامبالغہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ مصرع اپنی معنویت کے ساتھ حرف بہ حرف پاسبان ملت علامہ مشتاق احمد صاحب نظامی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت پر صادق آتا ہے۔ علامہ جہاں ایک ادیب کی حیثیت سے موجودہ صدی میں اسلامی تہذیب و ثقافت کے روشن مینار تھے وہیں ایسے رہبر بھی تھے جو اپنے اسلاف کے قابل فخر نمونہ تھے۔ جہاں انھیں برملا فہم و فراست کا مجسمہ کہا جاتا تھا وہیں انھیں علم و ادب کا دبستاں بھی تصور کیا جاتا تھا۔ علامہ سے قریب ہونے والا یقین کے اجالے میں یہ کہتا ہے کہ وہ باغ و بہار کی ایک انجمن تھے جس کے قریب آنے والا اپنی افسردگی کو بھول جاتا تھا اور شگفتگی سے ہم کنار ہوکر واپس ہوتا تھا۔

پاسبان ملّت ایسے عالم دین تھے کہ جن کے دبدبۂ حیدری کے سامنے دیوبندیوں، وہابیوں، رافضیوں، نیچریوں، قادیانیوں اور عیسائیوں کے کلاہِ افتخار کو بھی مضطربانہ جھکنا پڑتا تھا۔ وہ ایسے مناظر تھے جو باطل کے خرمن پر قہر و جلال کی بجلی بن کر گرتے اور چشم زدن میں دشمن اسلام کے آشیانے خاکستر ہوتے نظر

آتے۔ ان کے یہاں کیا نہیں تھا ؟ علم کی پہنائیاں بھی تھیں، ادب کی دلچسپیاں بھی تھیں، فنون کی دلکشیاں بھی تھیں، تقریر کا بانکپن بھی تھا، تحریر کی سنجیدگی بھی تھی، نگاہوں کی بلندی بھی تھی، گفتگو کی دلنوازی بھی تھی اور پرسوز دل کی دھڑکنیں بھی ؎

بلائے جاں ہے غالبؔ اسکی ہر بات
عبارت کیا، اشارت کیا، ادا کیا

پاسبان ملت کی ایسی باوقار شخصیت تھی جس پر سنّیت کو ناز تھا۔ وہ اپنی قوم کے ایسے محبوب رہنما تھے جن میں بہت ساری اچھوتی خوبیاں موجود تھیں اور بے شمار نادر خیالات مجتمع ہوگئے تھے۔ اس لئے وہ لاشعوری طور پر قوم کے ذہن وفکر کا محور بن گئے تھے۔ اسی لئے اَن جانے طور پر دل ان کی طرف کھنچتا ہے، آنکھیں انھیں ڈھونڈھتی ہیں۔ ان کی جدائی ساری قوم کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ ساری پلکیں آنسوؤں کے بوجھ سے دبی نظر آتی ہیں اور سارے دل ان کی جُدائی میں تڑپ رہے ہیں۔

پاسبان ملّت کی ایسی پُرکشش شخصیت تھی کہ جو ان سے قریب ہوتا قریب تر ہوجاتا۔ ان کے اخلاق کا یہ عالم تھا کہ ہر طبقہ کا انسان ان کے سائے میں سکون محسوس کرتا۔ مدرسین ہوں، اراکین مدارس ہوں، طلبہ کی جماعت ہو، عوام کا طبقہ ہو یا خواص کا پروقار گروہ، سب قدر کی نگاہ سے ان کو دیکھتا ہے۔ اگر وہ کسی پر بہت زیادہ ناراض ہوتے تو آنکھیں بند کرلیتے اور خاموش ہوجاتے۔ الحاصل اس کی ذات سراپا اسلام کا اعجاز تھی۔

نہ!

ولادت، تعلیم و تدریس

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

وِلادَت

الہ آباد، ہندوستان کا ایک قدیم تاریخی اور مردم خیز شہر ہے۔ اور اسی نام کے ضلع کا صدر مقام بھی۔ سرائے عقیل اس ضلع کا ایک گاؤں ہے جہاں ۱۵ اگست ۱۹۲۲ء کو مَلِک برادری کے ایک اوسط زمیندار گھرانے میں آپ پیدا ہوئے۔ اس موقع پر غیر مناسب نہ ہوگا اگر مَلِک برادری کا ایک جامع تعارف قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔

مَلِک

لفظ مَلِک کا معنی بادشاہ ہے۔ یہ ایک خطاب ہے جسے شاہانِ وقت اپنے بہادر اور ممتاز ترین عہدہ داروں کو عطا کرتے تھے۔ جیسے خان، خان خاناں، امیر، امیر الامراء، نواب وغیرہ۔ مذکورہ خطاب کسی خاص برادری کے لئے مخصوص نہیں تھا۔ اسی لئے لفظ مَلِک کسی خاص برادری کی علامت نہیں ہے۔ بلکہ مسلم حکمرانوں نے ہندوستان کے ہندوؤں کو بھی اس خطاب سے نوازا ہے۔ بنگال کے ملک ہندو ہیں اور پنجاب کے مَلِک سکھ ہیں۔

مَلِک ٹائٹل کی حیثیت سے کب سے مستعمل ہے؟

اس میں اختلاف ہے کہ ملک ٹائٹل کی حیثیت سے کب سے مستعمل ہے۔ جسٹس امیر علی اپنی کتاب "اسپرٹ آف اسلام" " SPRIT OF ISLAM " میں رقمطراز ہیں

بنی جرہم BANI JURHUM نے اپنایا۔ کہ لفظ ملک ٹائٹل کی حیثیت سے سب سے پہلے عرب قوم میں۔

جسٹس امیر علی نے ہسٹری آف دی سراسنس ـــــ HISTORY ON THE SERACENS میں لکھا ہے کہ ملک خلافتِ عباسیہ کے عہد میں شہزادوں کا ٹائٹل تھا۔ سب سے پہلا شخص جس کو یہ معزز لقب عطا کیا گیا نورالدین محمد بن زنگی ہے ۔ وہ ملک العادل کے خطاب سے بھی پکارا جاتا تھا۔ اس کا عہد ۵۵۵ھ ہے۔

مسٹر نوربس ,, MORBES ،، کے مطابق ملک ایک عظیم الشان ٹائٹل ہے جو مصر کے منسٹرس اور ملیٹری افسرس کے لئے مخصوص تھا۔ یہ خطاب مصر کے کچھ بادشاہوں کے نام کے ساتھ بھی پایا جاتا ہے۔ جیسے ملک عبدالفتح، ملک معظم۔

حیات افغانی کے مصنّف نے لکھا ہے کہ ملک خطاب کی ابتدا محمد غزنوی کے دور میں ہوئی۔ وہ لکھتا ہے کہ:

"غزنوی اور بلبن کی حکومت کی یہ پالیسی تھی کہ عرب بچوں اور بادشاہوں کے بچوں کو خرید کر لاتے اور ان کو شاہی سرپرستی میں تربیت دیتے جب وہ بڑے ہوجاتے تو ان کو مناسب عہدہ دے کر ملک خطاب سے نوازتے۔"

اس زمانے میں ایسا ہوتا تھا کہ ڈاکوؤں کا گروہ بادشاہ زادے کی چوری کرتا اور ان کو کسی دوسرے ملک کے تاجر کے ہاتھوں اونچی قیمت پر فروخت کر دیتا۔ اس طرح ایک کہانی ایاز کی ہے سیرالمتاخرین نے اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے۔ مختصر یہ کہ

ایاز کشمیر کے بادشاہ کا لڑکا تھا۔ آب و ہوا کی تبدیلی کے لئے ایک روز اپنے والد کے ساتھ شکار کے لئے نکل گیا۔ اتفاقاً وہ اپنے والد سے جنگل میں بچھڑ گیا۔ ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے اس کو اپنے قبضہ میں کر لیا اور بدخشاں کے تاجر سے اونچی قیمت کے عوض بیچ دیا۔ تاجر نے اس شہزادے کو سلطان محمد کے دربار میں پیش کیا۔ سلطان نے ایک خطیر رقم دے کر اس بچے کو خرید لیا۔ اور اپنی تربیت میں اس کو پروان چڑھایا۔ اور اس کو ملک ایاز کہہ کر پکارتا۔

ایاز کے علاوہ تاریخ میں کئی غلام ایسے ملتے ہیں جن کو ملک کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ جیسے سلطان قطب الدین اور سلطان شمس الدین اور رنگ زیب، مسند حکومت پر جلوہ بار ہونے سے قبل ملک کہہ کر پکارے جاتے تھے۔ چونکہ غلام کا معنی بہت حقیر ہے۔ اور اسلام میں غلام کی حیثیت خاندان کے ایک فرد کی ہوتی ہے۔ اس لئے ان کے ساتھ برابری کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ یہی احساس تھا جس نے غلاموں کو ملک کے معزز لقب سے پکارنے پر آمادہ کیا۔ لیکن غلاموں میں بھی اہم خوبیوں کے مالک ہی مِلک کے لقب سے پکارے گئے۔ ؎

جو خاص بندے ہیں وہ بندۂ عوام نہیں
ہزار بار جو یوسف بکے، غلام نہیں

ملک کا خطاب ہمیشہ معزز ترین اشخاص کو ہی عطا کیا جاتا رہا ہے۔ سلطان قطب الدین کے عہدِ حکومت میں ملک وحید الدین قریشی کو ملک کا خطاب مِلا۔ گجرات کے گورنر تھے۔

ملّا نظام الدین فرنگی محلی لکھنؤ کو یہ خطاب عطا کیا گیا۔ عبدالباسط نے اپنے اشعار میں اس طرح اظہار کیا ہے۔

نظام الدین محمد واصل حق | چو از روئے زمیں سوئے فلک شد
وصال سال تاریخش فلک گفت | ملک بود و بیک حرکت ملک شد

مشہور بادشاہوں کے عہد میں جن اہم شخصیتوں کو ملک کا خطاب دیا گیا ہے، ان کے اسماء کی فہرست مندرجہ ذیل ہے:۔

ا:۔ سلطان شہاب الدین غوری	ا: ملک ضیاء الدین (سپہ سالار) ۲:۔ ملک قطب الدین ایبک۔ (انھوں نے بھی ہندوستان کے سلطان کے عہدہ کو زینت بخشا)
۲:۔ سلطان قطب الدین ایبک	ا:۔ ملک بختیار خلجی (فاتح بنگال)
۳:۔ سلطان شمس الدین التمش	ا:۔ عزت الملک ملک علاء الدین خانی۔ (لکھنؤ کے گورنر)
۴:۔ فیروز شاہ۔	ا:۔ ملک علاء الدین۔ (لاہور کے گورنر)
۵:۔ سلطانہ رضیہ	ا:۔ ملک سیف الدین۔
۶:۔ سلطان نصیر الدین محمد	ا:۔ ملک جلال الدین۔ (گورنر لکھنؤ)
۷:۔ سلطان غیاث الدین بلبن	ا:۔ ملک الامراء فخر الدین۔ (کوتوال)
۸:۔ سلطان جلال الدین خلجی۔	ا:۔ ملک احمد (امیر لشکر)
۹:۔ سلطان علاء الدین خلجی۔	ا:۔ ملک علاء الدین غازی۔ (سپہ سالار)

۱۰:۔ سلطان محمد تغلق

۱:۔ سید ابراہیم ملک بیا
۲:۔ ملک مقبول (پرائم منسٹر)

۱۱:۔ سلطان ظہیر الدین بابر

۱:۔ ملک قاسم۔
۲:۔ ملک داور۔ (سپہ سالار)
(ملک داور ملک بیا کے سب سے بڑے لڑکے ہیں)

مذکورہ بالا فہرست سے بھی یہ متعین ہو جاتا ہے کہ ملک کا خطاب معزز ترین اشخاص کو ہی عطا کیا جاتا ہے۔

سادات کرام کو بھی ملک کے خطاب سے نوازا گیا ہے۔

مولانا ضیاء الدین برنی نے اپنی کتاب ہسٹری آف فیروز شاہ "HISTORY OF FIROZ SHAH" میں لکھا ہے کہ سید معین الدین سید تاج الدین، سید جلال الدین کو ملک کا خطاب عطا کیا گیا۔

روضۃ الصفا کے چوتھے حصے کے ص ۱۲۵ پر لکھا ہے کہ محمد خوارزم شاہ نے چھٹی صدی بعد مسیح کی ابتدا میں فارس کے تخت پر قبضہ کیا۔ اس جنگ میں جن لوگوں نے سلطان غیاث الدین کے مقابلہ میں دلیری کے ساتھ جنگ کیا ان کو ملک کا خطاب دیا گیا۔

تاریخ فرشتہ کا کہنا ہے کہ گوالیار سلطان سکندر لودھی کے عہد حکومت میں فتح ہوا۔ جب داؤد خاں نے اس جنگ میں بھر پور دلیری کا مظاہرہ کیا تو بادشاہ نے اس کو ملک کا خطاب عطا کیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے امداد فی

مشیر الاجداد میں اپنے نسل کے بزرگوں کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کو ملک کا خطاب دیا گیا۔ بشیر ملک، عطاء ملک، عبد الملک، انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ملک خطاب اونچے عہدے اور اعزاز کا اظہار رہے۔

خان بہادر علی محمد شاہ نے اپنی کتاب ہسٹری آف بہار "HISTORY OF BIHAR" میں لکھا ہے کہ سید ابراہیم ملک بیا کے نام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ملک کسی ایک برادری کا نام نہیں ہے۔

ملک کا خطاب دوسرے درجے کا ہے اس سلسلے میں مولوی محمد حسین جو فیروزپور کے ڈسٹرکٹ جج تھے ابن بطوطہ کی تحریر کا ترجمہ کیا ہے اور اس میں وضاحتی نوٹ بھی دیا ہے ترجمہ مندرجہ ذیل ہے:۔

The nobles of the court rank thus. The highest rank is that of Amir Khans. Second that of Maliks, and third of Amirs. The first have ten thousand soldiers under them and Maliks have one thousand soldiers. The Amir Khan get jagirs yielding an income of two lakhs tanka (every tanka is worth half of a guinea) the Malik have jagirs yielding fifty to sixty thousand rupees a year. The soldiers are paid by the King some Maliks have ariun to the rank of Amir Khans but are known as Maliks.

Page 5. Short History of Tarikh Maliks by M. Yasin Yusuf.

Printed by Ram Parshad Sinha at the Khadgavilas Press, Bankipur, 1927.

مذکورہ بالا ترجمہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مذکورہ خطابات عدالت کے ذریعہ بھی اور مختلف بادشاہوں نے مختلف برادری کے بہادروں، دلیروں اور اونچے عہدوں پر فائز معزز ترین سماج کے افراد کو ملک کا خطاب عطا کیا۔ انھیں ان کے خطاب کے اعتبار سے جاگیریں دی جاتی تھیں۔ اور اس اعتبار سے فوجی دستہ بھی دیا جاتا تھا۔

ملک بیا

روہتاس گڑھ کا ایک راجہ ہنس راج نامی بہت بڑا ظالم وجابر تھا۔ اسکی سرکوبی کے لئے شہنشاہ تغلق نے اپنے وزراء سے مشورہ لیا۔ مشیروں نے اس مہم کو سر کرنے کے لئے حضرت سید ابراہیم کو بھیجنے کا مشورہ دیا۔ آپ کو شہنشاہ تغلق نے راجہ

کی سرکوبی کے لئے بہار بھیجا۔ راجہ سے آپ کا مقابلہ سوراج پوکھر کے قریب ہوا۔ یہ جگہ ہرگاؤں کے پاس ہے۔ راجہ روہتاس گڑھ بھاگ گیا۔ آپ نے راجہ کا تعاقب کیا اور روہتاس گڑھ پہونچ کر راجہ ہنس راج کو قتل کر دیا۔

دوسرا واقعہ منشی گیری گیارام کی کتاب شری مہوری بھیکن میں ملتا ہے کہ متصورا کا رہنے والا ایک بڑا تاجر جس کا نام مہوری تھا۔ وہ سونا، چاندی کے زیورات کے علاوہ قیمتی پتھر، سلک کے کپڑے اور چوڑیوں کی تجارت کرتا تھا۔ وہ متصورا سے بہار وایا پٹنہ آتا تھا۔ اس زمانہ میں یہاں کا صوبہ دار بیتھال (BATHAL SUBEDAR) تھا۔ اس نے اس تاجر سے سارے مال تجارت لے لیا اور قیمت ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ تاجر نے انتھک کوشش کی کہ کسی طرح صوبے دار سے سامان مل جائے یا اس کی قیمت مل جائے لیکن ساری کوششیں بے کار ہو گئیں تو اس نے دہلی پہونچ کر شہنشاہ محمد شاہ تغلق کے دربار میں فریاد کیا۔ بادشاہ نے حضرت سید ابراہیم کو دوبارہ اس کی سرکوبی کے لئے فوج کا ایک دستہ دے کر بھیجا۔ سید ابراہیم ایک مرتبہ بہار آچکے تھے۔ اس لئے ان کو یہاں پہونچنا بہت آسان تھا۔ یہ صوبہ دار کو معطل کر دیئے جانے کا حکم نامہ لے کر آئے اور ان کو یہ بھی حکم دیدیا گیا تھا کہ اگر بیتھال رقم دینے سے انکار کر دے تو تمہاری جیسی خواہش ہو گی اور اس وقت جو صورت ہو گی ویسا ہی عمل کرنا۔ صوبے دار نے مہوری کی رقم ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ سید ابراہیم نے اس کے سر کو قلم کر دیا۔ اور

جتنے مال واسباب مہوری کے لئے گئے تھے سب اسے واپس کر دیا
اور آپ دہلی واپس ہو گئے ۔ بادشاہ سید ابراہیم کے کامیاب واپسی
پر بڑا خوش ہوا ۔ بادشاہ نے استقبال کیا اور کہا ملک بیا ۔ تم
نے ایک بدمعاش صوبے دار کو کیفر کردار تک پہونچا دیا اس
لئے تم ہی بادشاہ ہو ۔ اس دن ان کو ملک کا خطاب عطا کیا گیا ۔
اب سید ابراہیم ملک ابراہیم کے نام سے جانے جانے لگے ۔ لیکن
عام طور سے لوگ ان کو ملک بیا کے نام سے پکارتے ہیں ۔ اور
اس نام کے ساتھ وہ اب تک مشہور رہیں ۔

ملک بیا کے مزار کے دروازوں پر اشعار کندہ ہیں شرقی
دروازہ پر جو اشعار کندہ تھے اسے گورنمنٹ میوزیم کلکتہ لے
جایا گیا ۔ مسٹر تھامسن ولیم بل THOMSON WILLIAM BILL
نے ملک بیا کی مختصر تاریخ لکھی ہے ۔ اپنی کتاب ——————
مفتاح التواریخ میں مندرجہ ذیل اشعار نقل کئے
ہیں ۔ :-

بعہد دولت شاہ جہاں گیر
کہ بادا در بہار ملک نوروز

شہنشاہ جہاں، فیروز سلطان
کہ بر شاہان گیتی گشت فیروز

ملک سیرت ملک بیو براہیم
کہ بد در دین جو ابراہیم کیں سوز

بماہ ذالحجہ یکشنبہ از دہر!!
بدست چوں سیزدہ از وے دریں سوز
بہجرت ہفتصد و پنجشنبہ و سہ تاریخ
مسافر شد ملک در جنت امروز
مشرقی دروازہ پر جو اشعار ابھی تک کندہ ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں :

این مقطع بہار ملک سیف دولت است
کز مہم تیغ او سیر افگندہ آفتاب
بت راہمیں شکست چو ہمنام خویش تا
در عالم بقاش بود بت شکن خطاب
صف دار صف شکن چو صف آراستے بحرب
رستم بہ تپ فتادے وہمیں شدے زتاب
خورشید اگرچہ لشکر سپاہ راشکست
آخر زکوہ ساخت سوا پردہ حجاب
تاریخ آفتاب کہ یکشنبہ از جہاں
چو لعل رفت در دل سنگ از برائے خواب
بعد از مہ معظم و ذالحجہ سیزدہ
از سال بعد ہفتصد و پنجہ در حساب

اتر کی جانب جو دروازہ ہے اس پر مندرجہ ذیل اشعار کندہ ہیں :

دریں گنبد کہ ہشت از روئے معنی
بقدر از گنبد افلاک برتر

بخفت سست شیر مردے کز نہیبش،
بخفتے شیر اندر بطن شبّر!
مدار ملک ابراہیم بو بکر!!
کہ تیغ از بہر حق می زد چو حیدر
چنیں لشکر کشے کشور کشائے
بخیزد دوم اندر ہفت کشور
کنوں بر درت افتادہ یارب
زراہ لطف بکشائے بر و در
بمشکِ رحمت و کافورِ رافت
کنی دیوارِ خاکش را معطّر،

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ملک بیا صرف ایک عظیم مجاہد ہی نہیں تھے بلکہ اپنے وقت کے ایک روحانی بزرگ بھی تھے۔ اسی لئے آج تک ان کے آستانے پر عرس کی تقریب میں ہزاروں مسلمان اور غیر مسلم خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے آتے ہیں۔ اور فیض پاتے ہیں۔

ملک بیا کی شادی کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ ہندوستان کے مشہور مؤرخ حسن عسکری نے لکھا ہے کہ بہار آنے کے بعد ان کی شادی یہیں ہوئی۔ ایم یاسین یونس نے اپنی کتاب Short History of Tarikh Malik میں آپ کی اولاد لکھا ہے سات لڑکے اور دو لڑکیاں۔ ان کے نام اس طرح ہیں۔ (۱) ملک داور۔ (۲) ملک الیاس۔ (۳) ملک بدرالدین۔ (۴) ملک صدرالدین۔ (۵) ملک محمد محسن۔ (۶) ملک عثمان اور

(۷) ملک سلیمان ۔ ملک داد سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔
ملک سلیمان اور ملک الیاس کی قبریں، ملک بیا کے مقبرہ کے باہر
ہے لیکن احاطہ مزار کے اندر ہے۔ ملک عثمان جلال آباد تشریف
لے گئے۔ ان کی قبر جلال آباد ہی میں ہے۔ ان کی بڑی صاحبزادی جعفرآباد
میں ہیں۔ بقیہ چاروں صاحبزادے اور ایک صاحبزادی کی قبریں
ملک بیا کے مقبرہ کے اندر رہی ہیں۔

بڑی صاحبزادی کی شادی حضرت صدرالدین جعفرآبادی
سے ہوئی۔ اور دوسری لڑکی کی شادی ملک مبارک سے ہوئی۔ جو
آپ کے بھتیجے تھے۔ اس لئے یہ بہار شریف میں ہی آسودۂ خاک
ہیں۔

ملکوں کے یہاں شادی کے موقع پر دولہا دولھن ایک
ساتھ ہوتے ہیں۔ تو ان کے سامنے چند اشعار پڑھے جاتے ہیں۔
جسے گھومے (Ghome) کہتے ہیں۔ وہ اشعار مندرجہ
ذیل ہیں:۔

اللہ ربی محمد نبی ہیں علے جدی
پوتا گھومے ، دھیا گھومے
مکہ سے جو مدینہ سدھارے
مدینہ سے جو بغداد میں کرے
بغداد میں عباس نے ظلم مچایے
یہ ظلم اترا تو رہے برکن سے
پوتا گھومے دھیا گھومے
اے میرے پوت نہ ظلم کرنا

کفر توڑ دین بسانا !!

تب تم شاہ مرداں سے

پوتا گھومے دھیا گھومے

پچھم سے ملک آئے

سونا لائے سانگ لائے

پوتا گھومے دھیا گھومے

Short History of Tarikh Maliks by M. Yasin Yusuf. Printed Khadgavilas Press, Bankipur, 1927.

تعلیم

آپ کے والد گرامی ایک درد دلیش صفت انسان تھے۔ انھیں خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ سے بے پناہ عقیدت تھی۔ اس لئے علامہ نظامی کو مکتب کی مروجہ تعلیم کے حصول کے بعد آپ کے والد ماجد نے سلطان الہند خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں آپ کی حاضری دلائی۔ اور علوم اسلامیہ عربیہ کی تحصیل کے لئے آستانہ خواجہ پر منت مانی۔ رجب المرجب میں حاضری دلائی۔ شوال المکرم میں حضور مجاہد ملت مولانا شاہ حبیب الرحمٰن صاحب علیہ الرحمۃ کی بارگاہ علم پناہ میں سپرد کر دیا گیا۔ جو دین کی سربلندی کے لئے جان دینے کا ولولہ اور تحفظ ناموس رسالت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم

کے لئے دست قاتل کو بوسہ دینے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ ؎

عشرت قتل گہہ اہل تمنا مت پوچھ
عید نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

اب آپ ایک شائستہ ماحول میں زندگی کے لیل ونہار گذار رہے ہیں جہاں کے مکینوں کے قدم اس شائستگی سے اٹھتے ہیں کہ در و دیوار کو بھی خبر نہیں ہوتی۔ وہاں کی عام سرگرمیاں طبیعت میں پاکیزگی، خیالات میں صحت، فکر میں بلندی اور علم میں عروج وکمال بخشتی ہیں۔ طہارت نفس اور شعور و آگہی اعجاز کمال کی سرحدوں کو چھوتی نظر آتی ہے۔ شجاعت کا پیکر، محبت کا مجسمہ اور جراءت کا کوہِ گراں بنا دیتی ہیں۔ وہاں کا ہر ذرہ باطل کو ہمیشہ للکارتا رہتا ہے۔ اور کہتا ہے ؎

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

مدرسہ سبحانیہ ملک کا ایک تعلیمی ومرکزی ادارہ ہے۔ اہل فن اور اہل نظر اساتذہ نے اپنے مساعی جمیلہ سے ملک کے اعلیٰ مرکزی ادارہ کی صف میں اس ادارہ کو کھڑا کر دیا ہے۔ امام التارکین حضور مجاہد ملت علامہ شاہ حبیب الرحمٰن علیہ الرحمہ معرفت وطریقت میں جہاں شہرہ رکھتے ہیں وہیں علم وفن میں بھی آپ کا سکّہ رواں ہے۔ جسے چاہ لیا استاذ الاساتذہ بنا دیا۔ آپ کی ہمہ جہت نگرانی میں حضرت علامہ مشتاق احمد صاحب نظامی کے شب و روز نکھرتے گئے۔

فارسی کے ابتدائی اسباق مولانا رحمت اللہ صاحب کے سپرد

تھے۔ پھر آپ کے اسباق مولانا قاری عبدالرّب صاحب ازہری کے پاس منتقل ہو گئے۔ ہدایۃ النحو تک کی تعلیم مولانا موصوف کی درسگاہ میں ہوئی۔ اس کے بعد آپ کے اسباق امام النحو حضرت مولانا سید عبدالقدوس صاحب بھدرکی کی درسگاہ میں منتقل ہو گئے۔ آپ نے شرح جامی تک کی تعلیم مکمل کرائی۔ اس کے بعد آپ کے اسباق شمس العلماء حضرت مولانا نظام الدین صاحب کے زیر درس آ گئے۔ اسی اثناء میں حضور مجاہد ملّت نے چند مخصوص کتابوں کو خود پڑھانا شروع کر دیا۔ مثلاً کنز الدقائق، شرح جامی کے کچھ اسباق اور قصیدۂ بردہ شریف حضرت نظامی صاحب کی طبیعت اخاذ تھی۔ آپ نے اساتذہ کا دل جیت لیا۔ دنیا میں دو ہی برادری ایسی ہے جو یہ چاہتی ہے کہ میرے سائے میں جو پروان چڑھے وہ مجھ سے اچھا ثابت ہو۔ والدین کی برادری اپنے بچوں کے لئے تمنا کرتی ہے کہ میرا بچہ مجھ سے بھی اچھا ثابت ہو۔ اسی طرح اساتذہ کی ایک برادری ہے جو اپنے شاگردوں کو اپنے سے اونچا مقام پر دیکھ کر خوشی محسوس کرتی ہے۔

مولانا عبدالقدوس صاحب بہاری اور مولانا محمد عمر صاحب سے آپ نے عربی ادب کی جملہ کتب بالاستیعاب پڑھی۔ اور آپ نے نمایاں صلاحیت پیدا کی۔ تفاسیر، احادیث، فلسفہ اور منطق کی تمام اہم کتابیں شمس العلماء اور حضور مجاہد ملّت کی درسگاہوں میں پڑھی۔ طب کی تعلیم مولانا حکیم احسن بہاری سے حاصل کی۔ شرح اسباب، موجز، قانونچہ اور نفیسی جیسی معرکۃ الآرا کتابیں بالاستیعاب اور پورے انہماک سے پڑھی اور فن طب میں بھی

اچھا مقام حاصل کیا۔
درس نظامی کی تعلیم کے علاوہ آپ نے ۱۹۴۲ء میں الہ آباد بورڈ سے منشی کے امتحان میں فرسٹ ڈویژن سے کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۴۴ء میں عالم کا امتحان دیا اور اول درجہ سے کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۴۶ء میں فاضل ادب کا امتحان دیا اور اعلیٰ درجہ سے کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۴۶ء ہی میں "اردو اعلیٰ قابل" کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۴۷ء میں کامل کا امتحان دیا اور سند کامیابی سے سرفراز کئے گئے۔

قوت حافظہ

پروردگار عالم نے آپ کو حافظہ کی بھرپور قوت عطا فرمایا تھا۔ آپ کا حافظہ بہت غضب کا تھا۔ عمر کی آخری منزل میں بھی قوتِ حافظہ کا یہ حال تھا کہ بچپن میں جن کتابوں کو پڑھا تھا اس کے حاشیے کی سطریں بھی یاد تھیں۔ برمحل اور برجستہ بولتے رہتے تھے۔ آپ کا حال یہ تھا کہ اگر ایک بار کسی سے زندگی کے کسی موڑ پر ملاقات ہو گئی تو ہمیشہ کے لئے اس کا نام پتہ اور اس کے خدمات آپ کے حافظہ میں ریکارڈ ہو گئے۔ اب جب کبھی دوبارہ ملاقات ہو گئی تو نام کے ساتھ ہی گفتگو شروع کرتے۔ جس سے مخاطب کو اپنے تشخص کا احساس ہوتا کہ میں بھی اس لائق ہوں جسے علامہ نظامی جیسی اہم شخصیت اپنے ذہن کے گوشے میں جگہ دیں۔ اور وہ فطری خوشیوں کی لہروں میں گم ہو جاتا۔
دل بدست آور کہ حج اکبر است

آپ کی طالب علمی کے دور کا ایک واقعہ شمس العلماء صاحب بیان کرتے ہیں کہ زبان وبیان کے موضوع پر ایک طویل مقالہ مجھے بہت پسند آیا۔ میں نے سوچا کہ طلباء کو اگر زبانی یاد کرا دیا جائے، تو مستقبل میں بہت سے تعلیمی مراحل آسانی سے طے کرلیں گے۔ چونکہ مقالہ طویل تھا زبانی یاد کرنا مشکل تھا اسلئے میں نے کمپٹیشن کے طور پر انعام مقرر کر دیا۔ مجھے بے حد خوشی ہوئی کہ مولوی مشتاق نے چند بار دیکھنے کے بعد اسی روز مجھے پورا مقالہ زبانی لفظ بلفظ سنا دیا۔ حضرت شمس العلماء نے آپ کو مٹھائیوں سے نوازا۔

مناظرہ کا میدان ذہن وفکر اور قوت حافظہ کی آزمائش کے لئے اہم ہوتا ہے۔ حضرت علامہ نظامی اپنے مدمقابل مناظر کے سامنے دلائل کے انبار لگا دیتے ہیں جن سے مقابل مبہوت ہو جاتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کا ذہن ایک لائبریری ہے اور پوری لائبریری کی ہر فن کی کتابیں ان کے سامنے کھلی ہوئی ہیں۔

تدریسی خدمات

ایک بہترین استاذ وہ ہوتا ہے جو مقصد تعلیم کو پیش نظر رکھتا ہے اور اپنے شاگردوں کے اندر وہی جلالت شان پیدا کر دیتا ہے جو تعلیم کے مقصد کا تقاضا ہے۔

تعلیم کی تعریف کسی نے یہ کی ہے:

By education I mean all round drawing out of the best from child to man body spread and mind.

اس تعریف کا ماحصل یہ ہے کہ تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ وہ انسان کی زندگی کے ہر پہلو اور ہر ادا میں صحتمند انقلاب برپا کردے۔

جب حضرت علامہ نظامی صاحب کا بحیثیت معلم جائزہ لیا جاتا ہے تو بلاشبہ اس شعبہ میں جلالت شان کے مالک نظر آتے ہیں۔ آپ نے جس کو پڑھادیا وہ علم وفضل اور اخلاق و مروت کا شاہکار بن کر ایک وسیع دائرہ پر چھا گیا۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ ایسی کارگذاریاں اسی کی ہوسکتی ہیں جو اپنے فن پر پوری مہارت رکھتا ہو۔ اور درسگاہ میں پوری چابکدستی کا مظاہرہ کرتا ہو۔

آپ نے ہمیشہ چاہے وہ تدریسی اوقات ہوں یا غیر تدریسی وقفہ، اپنے شاگردوں کی کردار سازی اور علمی گہرائی کے حصول کی تکنک کی تعلیم دی۔ طلباء آپ کے انداز تفہیم سے بے حد متأثر تھے۔ اگر غبی ذہن کا بھی کوئی طالب علم آپ کی درسگاہ میں ہوتا، تو آپ اس کے ذہن میں بھی نفس مسئلہ اتار دیتے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ کچھ ہی دنوں کے بعد اس کے اندر بھی کتابوں کے سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی۔

آپ کے تدریسی خدمات کا آغاز دورِ طالب علمی ہی سے ہوچکا تھا۔ ۱۹۴۶ء میں آپ نے الہ آباد کی ایک مشہور درسگاہ مصباح العلوم میں اپنے اساتذہ کے حکم سے پارٹ ٹائم پڑھانا شروع کر دیا۔ آپ کی درسگاہ میں درجہ مولوی اور عالم کے طلبہ کی اہم کتابوں کے اسباق ہوتے تھے اور سند فراغت کے حصول کے بعد ہی دنیائے سنیت کی مشہور مرکزی درسگاہ جامعہ جیلبیہ میں مدرس کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوگئے۔ طلبہ آپ کے

طرزِ تفہیم اور طریقۂ تعلیم سے اتنے متأثر تھے کہ اوقاتِ درس کے علاوہ بھی آپ سے پڑھنا چاہتے تھے۔ آپ نے بھی شفقت اسلاف کا مظاہرہ کیا کہ اوقات درس کے علاوہ اپنی قیام گاہ پر مشکوٰۃ شریف اور تفسیر جلالین کے اسباق پڑھانا شروع کر دیا۔ طلبہ کے درمیان ایک علمی فضا قائم ہو گئی۔

جامعہ فاروقیہ بنارس کے اراکین کے مسلسل تقاضے اور پیہم اصرار کی بنا پر آپ نے ۱۹۴۹ء میں فاروقیہ بنارس کے صدر مدرس کے عہدہ کو زینت بخشا۔ آپ کے پہونچ جانے سے جامعہ فاروقیہ کی تدریسی اہمیت کا شہرہ دور دور تک پہونچ گیا۔ اور دور دراز سے طلبہ تشنگیٔ علم کی سیرابی کے لئے بنارس پہونچ گئے۔ ادارہ کے اراکین کا تعلیمی منصوبہ صد فی صد کامیاب ہو گیا۔

کہا جاتا ہے کہ جامعہ فاروقیہ کا تعلیمی اعتبار سے وہی دور سنہرا تھا جس سے اس کی علمی ساکھ ہندوستان کی درسگاہوں میں بیٹھ گئی۔

ع حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد

الہ آباد آپ کا آبائی وطن ہے جامعہ سبحانیہ مادرِ علمی ہے۔ زندگی کے لیل و نہار وہاں کی فضا میں گذارا ہے۔ جامعہ کے اراکین کے مسلسل تقاضے پر الہ آباد تشریف لے آئے۔ اور جامعہ سبحانیہ کے تدریسی عہدۂ جلیلہ پر فائز ہو گئے۔ آپ کو جامعہ سبحانیہ کے اساتذہ نے پروان چڑھایا تھا۔ اب آپ نے جامعہ کے طلبہ کو اپنے اساتذہ کی ڈگر پہ یادگار علم وفن بنا دیا۔ جامعہ سبحانیہ ایک معیاری درسگاہ تو تھی ہی اسلئے مثالی طلبہ کا قافلہ تیار کر دینا دوسرے ادارہ کی بہ نسبت بہت آسان تھا۔

علامہ نظامی نے اپنے اخلاص کا پورا مظاہرہ کیا۔ طلبہ کی مثالی جماعت، قوم و ملت کی سربلندی کے لئے تیار کر دیا۔ تعلیمی مشن آپ کا اوڑھنا بچھونا ہو گیا۔ تین سال مسلسل اس ادارہ میں تدریسی خدمات انجام دیا۔ اب تقریری پروگرام کی کثرت ہونے لگی۔ سفر کے تسلسل سے اسباق کا ناغہ آپ کو پسند نہیں ہوا۔ آپ ادارہ کے تدریسی خدمات سے مستعفی ہو گئے اور آپ پورے طور سے قوم و ملت کی تعمیر اور سربلندی میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔

آثارِ علمیہ

نحن معشر الانبیاء لا نرث ولا نورث
انما نرث العلم

(حدیث)

تحریکِ تصنیف

اسلام دشمن عناصر نے ہمیشہ اسلام پر ایسے حملے کئے جس سے اسلام کا شیرازہ منتشر ہو جائے۔ حق و باطل کا یہ تصادم روزِ اوّل ہی سے ہے ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

عہدِ فرنگی کے شاطر ذہن نے ہندوستان میں ایسے لوگوں کو پیدا کیا جو پوری پلاننگ کے ساتھ اسلام کے قلب وجگر، اور اعصاب پر پورے شدّومد کے ساتھ حملہ شروع کر دیا۔ اور عالمِ دین کا لبادہ اوڑھ کر بے شمار ایسی کتابیں تالیف کیں جن کے رکیک جملے مسلمانوں کے قلب وذہن میں اشتعال پیدا کر دیئے کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے دست وپا لکھا، کسی نے آپ کے علم کو چوپائے اور پاگلوں کے علم کے برابر لکھا، کسی نے آپ کی تعظیم بڑے بھائی کی طرح کرنے کو کہا، کسی نے آپ کو گاؤں کے

چودھری کی طرح لکھا، اور کسی نے اللہ کی شان کے مقابلے میں نبی کی شان کو چمار سے زیادہ ذلیل لکھا۔

مذکورہ بالا جیسے بے شمار جملے' اسلامی لبادہ اوڑھ کر لکھا گیا۔ ہر جملہ زہر میں بجھا ہوا ایک تیر تھا جو اسلام کے قلب وجگر پر عالم صورت دشمن اسلام کے ہاتھوں سے پھینکا گیا۔ پوری ملت بلبلا اٹھی۔ ایمان کی غیرت کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ ایسے جانکاہ عالم میں، ایسے پر ہول ماحول میں، اور ایسے دلدوز دور میں اسلام کا ایک بطل عظیم میدان کارزار میں جہاد کے لئے اترا ہے جنھیں ہم علامہ مشتاق احمد نظامی کے نام سے جانتے ہیں۔ وہ ایک عاشق رسول کا دل رکھتے ہیں۔ وہ ایک مجاہد کی شجاعت رکھتے ہیں اور ایک مفکر کا ذہن رکھتے ہیں۔ بروقت ہر حملہ کا مقابلہ پوری جراءت سے کیا۔ بدعقیدگی کی ظلمت کے مقابلہ میں خوش عقیدگی کا روشن مینار قائم کیا۔ کفر کی تاریکی کے پردہ کو چاک کر کے ہدایت کا نور پیش کیا۔ آپ نے اس محاذ پر بے شمار ہتھیار قوم و ملت کی حفاظت کے لئے پیش کیا۔ جو خون کے آنسو، انکشافات، دیندار کے بے نقاب چہرے، جماعت اسلامی کا شیش محل، قہر آسمانی، وہابیوں دیوبندیوں کی پہچان اور دیوبندی بولتے ہیں مگر سمجھتے نہیں، کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

تصنیف و تالیف

علامہ نے وقت کی ضرورت کے لحاظ سے جو کتابیں تالیف فرمائیں اور زیور طبع سے آراستہ بھی ہوئیں وہ حسب ذیل ہیں۔

۱: خون کے آنسو دو حصے۔ مکتبہ پاسبان الہ آباد

۲: انکشافات	مکتبہ پاسبان
۳: ہند کے راجہ	〃
۴: مجرم کون	〃
۵: دیندار کے بے نقاب چہرے	〃
۶: جماعت اسلامی کا شیش محل	〃
۷: مینارۂ ہدایت	〃
۸: تنویر الایمان	〃
۹: قہر آسمانی	〃
۱۰: کربلا کا مسافر	〃
۱۱: وہابیوں دیوبندیوں کی پہچان	〃
۱۲: دیوبندی بولتے ہیں مگر سمجھتے نہیں	〃
۱۳: نسیم رحمت	〃
۱۴: فردوس ادب	〃

اس کے علاوہ چند کتابیں اور تالیف فرمائی تھیں مگر افسوس ان کتابوں کا مسودہ ہی غائب ہو گیا۔

شاعری

شاعری کیا ہے۔ اسکی حقیقت کے سلسلہ میں مفکرین کی بیشمار رائیں ہیں۔ شاعر کا معنی صاحب شعور کے ہیں اور شعور اصل میں احساس کو کہتے ہیں۔ اس بنیاد پر شاعر وہ شخص ہے جس کا احساس قوی ہو۔ اس کی طبیعت پر جو خاص اثر پڑتا ہے وہ اگر موزوں الفاظ کے ذریعہ

ظاہر ہوتا ہے تو اس کو ہم شاعری کہتے ہیں۔ اس سلسلے میں مفکرین کی رائے ملاحظہ فرمائیں:

• شاعری، کسی چیز کا اس طرح بیان کرنا کہ اس کی اصل تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے یا وہی اثر دل پر طاری ہو جائے۔

• شعر الفاظ، وزن، نغمہ اور رقص کا نام ہے۔

• جس خیال سے سامع کا دل متاثر ہو وہ شعر ہے خواہ نظم میں ہو، خواہ نثر میں۔

• حقائق زندگی کی گہرائیوں کو بیان کرنے کا ذریعہ شعر ہے۔

• شاعری خیال و احساس کے باطنی زمان و مکان کی توضیح و تعبیر ہے۔

• شاعری ایک سلطنت ہے جس کے قلمرو اس قدر وسیع ہے، جس قدر خیال۔

• شاعری دانشِ منظوم کا نام ہے۔

• وارداتِ قلب کا ایک آئینہ ہے جس میں اوروں کو بھی اپنے دل کی بات نظر آتی ہے۔

• اچھے شعر کی خوبی یہ ہے کہ وہ سادہ ہو، جوش سے بھرا ہوا ہو، اصلیت پر مبنی ہو، اور موثر ہو۔

• لباس جمال کو زندگی کی قامت پر موزوں کر دینا شاعری ہے۔

انسان عالم سرخوشی میں جو کچھ بھی محسوس کرتا ہے اگر اسے کلام موزوں کی صورت میں دنیا کے سامنے پیش کر دے تو اسے شاعری کہتے ہیں۔

صفی لکھنوی کہتے ہیں: ؎

شاعری کیا ہے دلی جذبات کا اظہار ہے

دل اگر بے کار ہے تو شاعری بیکار ہے

جگر بریلوی کہتے ہیں :؎

شعر ہے ایک جذبۂ موزوں
شاعری دل کی ترجمانی ہے،

کسی شاعر نے کہا ہے :؎

شاعری کیا ہے فقط اک جذبۂ طوفان خروش
قوت تخیل میں اک ولولہ انگیز جوش

مندرجہ بالا افکار کی روشنی میں حضرت نظامی صاحبؒ کے کلام کا جائزہ لیا جائے تو یہ کہنا پڑے گا کہ اس عہد کے اچھے شعراء میں سے ایک کا نام علامہ نظامی ہے۔

علامہ نظامی کے کلام میں جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے وہ جذبے کی فراوانی اور ان کا والہانہ پن ہے۔ وہ کہتے ہیں ؎

نظر کا ان کی اک عالم نہیں ہے
کبھی برہم کبھی برہم نہیں ہے
بڑا انمول موتی ہے یہ آنسو،
بیانِ درد ہے شبنم نہیں ہے
نہ جانے کس کے غم میں جل رہا ہوں
چراغ صبح کی لو کم نہیں ہے
یہ انسانوں کی بستی میں اندھیرا
کوئی اسرار کا محرم نہیں ہے
مجھے رونا ہے اپنی صبح غم کا
سواد شام کا ماتم نہیں ہے
مرے قاتل کے بازو تھک گئے ہیں
جفا تو ہے مگر پیہم نہیں ہے
ہے تسلیم و رضا آئین الفت
یہ صلح و جنگ کا سنگم نہیں ہے
جفائے دوست ہے اک طرفہ الفت
ستم ان کا کرم سے کم نہیں ہے
نظامی یوں تو ہیں لاکھوں سہارے
کوئی اب چارہ سازِ غم نہیں ہے

علامہ نظامی جس موضوع کو چھوتے ہیں اور جو بات کہتے ہیں متاثر کئے بغیر نہیں رہتے۔ اسلئے کہ از دل خیزد بر دل ریزد کے مصداق ہے آپ کو بھی دعوتِ فکر دے رہا ہوں۔ پڑھئے اور جھومئے:

ترے حسن ازل کے سب پجاری
کوئی شیخ حرم ہو یا برہمن،
نہ پوچھ رفعتِ انساں کا عالم
وہاں پہنچا جہاں چلمن پہ چلمن،
تمھیں دیکھا ہے یا سوچا ہے جب بھی
نہ جانے کیوں اٹھی ہے دل میں دھڑکن
بس اتنا جانتا ہوں تم نے لوٹا
تمہارا بانکپن ہو، یا لڑکپن،
جو کل تک تھے شریکِ غم ہمارے
انھیں ہاتھوں نے پھونکا ہے نشیمن
وہ دل جسمیں جلی تھی شمع الفت
وہی اب آرزوؤں کا ہے مدفن
تیری الفت میں ہر کوچے سے گزرا
نہ دیکھا میں نے صحرا اور نہ گلشن،
وسیلہ بھی بڑی شے ہے خدایا،
میں پہونچا تو مگر دامن بدامن
بڑا نادان ہے تو بھی نظامی
اسی کو دل دیا جو دل کا دشمن

پاسبان اکتوبر ۱۹۷۳ء

علامہ نظامی کا دل نواز کلام دل سے ٹکرا کر جگر میں اترتا ہے :

ع دل سے تیری نگاہ جگر تک اتر گئی
دونوں کو اک ادا میں رضامند کر گئی

کے مصداق ان کا ہر شعر ہے پڑھئے اور سر دھنئے۔ وہ کہتے ہیں :

نہ جانے کتنی رعنائی کو تم میں جلوہ گر دیکھا
کبھی لعل و گہر دیکھا ، کبھی شام و سحر دیکھا

کبھی بجلی سی کوندی تھی بس اتنا یاد آتا ہے
نہ جانے ان کو دیکھا یا کوئی برق و شرر دیکھا

میں قرباں حسن جاناں تیری اس جلوہ نمائی کے
تجھے جب جب جہاں دیکھا باندازِ دگر دیکھا

لبِ لعلیں ، دُرِ دنداں ، رخِ زیبا ، قدِ رعنا
زمیں پر اک فرشتے کو بہ اندازِ بشر دیکھا

تمہی دل میں مکین پاکر نظامی کا یہ عالم ہے
نہ کوئی رہگذر دیکھا ، نہ کوئی بام و در دیکھا

مئی ، پاسبان ۱۹۶۴ء

شاعری کے ذیلی عنوان کی تمہید میں جتنے مفکرین کی رائے پیش کی گئی ہے اس کا ماحصل یہ نکلتا ہے کہ اچھے شعر کا معیار یہ ہے ،

کہ سہل، رواں، فصیح، بامعنیٰ اور بلیغ ہوں۔ حضرت نظامیؔ صاحب کا مندرجۂ ذیل کلام اس معیار کا آئینہ دار ہے:-

ازل میں میں نے پایا تھا اشارہ چشمِ یزداں سے
جھکا دوسر تو پھر اٹھنے نہ پائے سنگِ جاناں سے

گلِ رعنا سے کہہ دو مسکرائے اب نہ گلشن میں،
مجھے تسکین ہوتی ہے بس ان کے روئے خنداں سے

یہی اک دن زمانے کی قیادت کرنے والے ہیں
جو دیوانے ابھی الجھے ہیں اپنے جَیب و داماں سے

فرشتوں کی وہ دنیا ہے جہاں معصوم بستے ہیں
خطا تو پیارے ہوتی ہے ہمارے جیسے انساں سے

طوافِ کعبہ بھی کرنا ہے مجھ کو اے حرم والو!
اگر فرصت ملی مجھ کو طوافِ کوئے جاناں سے

میری ٹوٹی دعا اے کاش اتنا کام کر جاتی
چراغ زیست وہ میرا بجھاتے اپنے داماں سے

ستاروں نے چمک پائی تو پھولوں نے ہنسی لے لی

تمہارے روئے تاباں سے تمہارے روئے خنداں سے

خدا شاہد مجھے شکوہ نہیں ان کی جفاؤں کا
وہ یوں ہی آزمائیں مجھ کو اپنے تیر و پیکاں سے

محبت کے یہ آنسو ہیں کبھی تو رنگ لائیں گے
قیامت تک لگے رہنے دو ان کو اپنے داماں سے

پسینہ میں نے دیکھا ہے جبینِ بدرِ کامل پر
نقاب الٹے ہوئے ہیں کیا وہ اپنے روئے تاباں سے

میرا دل ہی نہیں سارا زمانہ کانپ اٹھتا ہے
ستارے ٹوٹتے ہیں جب تمہاری نوکِ مژگاں سے

اسی دن سے میرے طرزِ سخن میں جان آئی ہے
کبھی اک گھونٹ میں نے پی لیا تھا جامِ عرفاں سے

غمِ جاناں تو آ بھی جا کہ تیرا ہی سہارا ہے
میرا دل ڈوبا جاتا ہے خیالِ شامِ ہجراں سے

زباں خاموش، لب ساکت رہے، یہ ان کا ایما ہے
میں اپنا حالِ غم کہتا ہوں اپنی چشمِ گریاں سے

میری آباد دنیا کو نہ روندو اپنے قدموں سے
تمھیں دل میں بٹھایا ہے نہ جانے کتنے ارماں سے

کبھی اپنے بھی دن ہوتے نظامی ان کی محفل میں
مجھے زنجیر پہناتے وہ اپنی زلف پیچاں سے

پاسبان، نومبر ۱۹۶۳ء

کسی کا مشہور جملہ ہے :

یعنی گھر تک پیچھا کرنے سے اکثر محبوب شاعر بھی گھٹیا معلوم ہوتا ہے اور عقیدت مند قاری کی توقعات مجروح کرتا ہے۔ اور بعض اس کے قائل ہیں کہ :

اپنے شاعر کا خواب گاہ تک پیچھا کرو۔
ان دو لوں خیال نے یہ طے کر دیا ہے کہ کبھی کبھی دونوں کا جائزہ لیا جائے۔ اگر خیالات کے ان زاویوں کے تحت علامہ نظامی کا جائزہ لیا جائے تو ایک ایسی شخصیت کے حامل ہیں کہ جو ظاہر ہے وہ باطن ہے جو باطن ہے وہ ظاہر ہے۔ ان کی خلوت و جلوت یکساں ہے وہ جو میدان میں کہتے ہیں وہ گھر میں برتتے ہیں۔ ان کی رگ رگ عشق کا خون رواں ہے۔ اور ان کے کردار سے عشق کی جوت جگتی نظر آرہی ہے۔
وہ فرماتے ہیں : ؎

کون کھینچے جا رہا ہے سوئے میخانہ مجھے
لے نہ ڈوبے اب کہیں یہ ذوقِ رندانہ مجھے

لاج رکھ لے تو کبھی اب میرے جنونِ عشق کی
ایک دنیا کہہ رہی ہے تیرا دیوانہ مجھے،

غیرتِ ایماں کہاں سوئی ہے اٹھ کر دیکھ لے
لے چلی ان کی محبت سوئے بُت خانہ مجھے

میرے سجدے تیرے سنگِ در کے گر قابل نہیں
بخش دے اپنے کرم سے ذوقِ رندانہ مجھے،

ان کے غم میں مر کے جینا، جی کے مرنا دیکھ کر
اہلِ عالم کہہ رہے ہیں رشکِ پروانہ مجھے

چشمِ میگوں سے پلا دی آج ساقی نے مرے
اب نہ ہرگز چاہیئے یہ جام و پیمانہ مجھے

کون جانے اور سمجھے کیا ہوں میں اور کیا نہیں
ہر زباں بس کہہ رہی ہے ان کا دیوانہ مجھے

کچھ نہ بولوں گا زباں سے ان کی بزمِ خاص میں
آنسوؤں کے ساز پہ کہنا ہے افسانہ مجھے،

پاسبان، اکتوبر ۱۹۶۱ء

علامہ نظامی پر درد دل کی دھڑکن اور پرسوز کیفیت کے مجسمہ کا نام ہے۔ ان کی زندگی اس شعر کی مصداق ہے:

اک ہوک سی دل میں اٹھتی ہے اک درد جگر میں ہوتا ہے

میں چپکے چپکے روتا ہوں جب سارا عالم سوتا ہے
اسی فضا میں ان کی ایک غزل ملاحظہ فرمائیے:-

کیا ابھی پُر درد میری داستانِ غم نہیں!
سننے والے سن رہے ہیں اور آنکھیں نم نہیں!

چاہیئے ایسی خلش جو ان کو تڑپاتی رہے،
وہ بھی کوئی زندگی ہے جس میں کوئی غم نہیں

بارگاہِ حسن پر جھکتی ہے دل کی کائنات
وہ بڑا سرکش ہے جس کا سر یہاں پہ خم نہیں

دست نازک سے دیا ساقی نے مجھ کو جامِ مئے
لاؤ اس کو چوم لوں یہ جام جم سے کم نہیں

تم نہ بدلو بس یہی ہے مدعائے زندگی!!
پھیر لے رخ ساری دنیا مجھ کو اس کا غم نہیں

اشک بن کر ڈھل رہا ہے خونِ دل، خونِ جگر
یہ متاعِ عشق ہے پانی نہیں، شبنم نہیں

فرق صرف اتنا ہے میرے اور ان کے درمیاں

مجھ کو ان کا غم ہے لیکن ان کو میرا غم نہیں

کوئی دیکھے تو سہی کیسا ہے محکم رابطہ
غم برائے دل نہیں یا دل برائے غم نہیں

اے نظامی چھوڑ دے افسانۂ شعر و سخن
یہ تیری منزل نہیں، اور یہ تیرا عالم نہیں

پاسبان، مارچ ۱۹۷۳ء

علامہ نظامی کی بے شمار غزلیں منقبتیں پاسبان اور دیگر رسائل میں چھپ چکی ہیں۔ آپ جب چاہتے تھے غزل کہتے تھے۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ چھٹی رجب کو عرس غریب نواز کے موقع پر حضور غریب نواز علیہ الرحمۃ کی شان میں کئی منقبتیں ایک ہی نشست میں کئی زمین میں متعدد پڑھنے والے طلبہ کے لئے تیار کر کے دے دیا۔ اکابر بزرگوں سے بے پناہ عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ اسی لئے جب بھی کوئی بزرگ دار بقا کو سدھارتے، علامہ نظامی صاحب کی آنکھیں و نور عقیدت و محبت میں برسنے لگتیں۔ آپ کے حضور مجاہد ملت کے وصال اور شیر بیشۂ اہلسنت کے انتقال پر جو اشعار صفحۂ قرطاس پر نظر آتے ہیں وہ دل کی دھڑکن، خیالات کی بلندی اور عقیدت کی فراوانی کا اظہار کرتے ہیں۔

مناظر اعظم، شیر بیشۂ اہلسنت علیہ الرحمۃ والرضوان کے وصال کے موقع پر لکھی گئی منقبت ملاحظہ فرمائیں :-

جانِ تفسیر حدیثِ دیگراں جاتا رہا
بزمِ رضویت کا وہ روحِ رواں جاتا رہا

پاسبانِ دین و ملت اے امیرِ کارواں
تو گیا کیا سنیت کا رازداں جاتا رہا

بادلوں کی گھن گرج شمشیر کی للکار تھی
ہائے تو کیا روٹھ گیا کوہِ گراں جاتا رہا

حامد و امجد، نعیم و مصطفےٰ کا لاڈلا
گلشنِ احمد رضا کا باغباں جاتا رہا

حشمتی، رضوی، نظامی، قادری سب رو پڑے
کیوں نہ ہو ماتم بپا پیرِ مغاں جاتا رہا

اپنی حق گوئی سے جو دشمن کا سینہ چیر دے
سچ تو یہ ہے وہ ہمارا ترجماں جاتا رہا

مسند رازی، غزالی آج سونی ہو گئی
ان کی ہر ہر بات کا وہ نکتہ داں جاتا رہا

پارسائی، زہد و تقویٰ علم و فن جس کے غلام
الاماں وہ آج بحر بیکراں جاتا رہا

کیا وہاں بھی چھڑ گئی ہے کوئی بحث دلخراش
بن کے جو تیغ و سناں دامن کشاں جاتا رہا

تیرے دم تک گوش بر آواز تھے اہلِ جہاں
تیرے اٹھ جانے سے لطف داستاں جاتا رہا

اے نظامی ختم کر افسانۂ پُر غم یہاں
پھٹ نہ جائے تیرے رونے پر زمین و آسماں

موصوف ہی کی شان میں ایک دوسری منقبت کے کچھ اشعار حاضر ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:۔

بزمِ ادب کا شمع فروزاں نہیں رہا
چرخِ ہنر کا مہرِ درخشاں نہیں رہا

وہ پیشوا و عالمِ ذی شان نہیں رہا
سچ پوچھئے تو فاضلِ دوراں نہیں رہا

جو آبرو تھا قوم کی اور سنّیت کی لاج
کیا کیجیئے کہ آج وہ انساں نہیں رہا

لرزاں تھی جس کے نام سے بنیاد کفر کی،
وہ مردِ حق شناس مسلماں نہیں رہا

برسا تھا جھوم جھوم کے جو کشتِ دین پر
افسوس کہ وہ ابرِ بہاراں نہیں رہا

جس کی گرج سے دیو کے بندے دہل گئے
اب وہ ہمارا شیر نیستاں نہیں رہا

اب درد و غم کا کس کو معالج بنائیے
وہ چارہ سازِ حالِ پریشاں نہیں رہا

جینے کو جی رہے ہیں مگر کچھ نہ پوچھئے
اب رونقِ حیات کا ساماں نہیں رہا

اے کاش کوئی دیکھے نظامی کا حالِ زار
دامن ہے چاک چاک، گریباں نہیں رہا

پاسبان۔ اگست ۱۹۶۰ء

بقیہ اشعار ان کے دیوان میں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں جو

زیر طبع ہیں ۔

صحافت

جہاں گیری سے ہے دشوار تر کار جہاں بانی،
جگر خوں ہو تو چشم دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

ہندوستان میں مطبوعہ صحافت کا آغاز ۱۸۲۲ء سے ہوا۔ اس کا سب سے پہلا اخبار ہفت روزہ جام جہاں ہے۔ اور یہ فخر بنگال کو حاصل ہے کہ اس نے اردو اخبار کو پہلی بار شائع کیا اور یہ اشاعت ۱۸۸۲ء میں ہوئی۔ اس کے بعد ہندوستان کے اردو داں صوبے اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس وقت صرف اتر پردیش کے صحافتی ارتقاء کا جائزہ لوں گا۔ اور اس میں علامہ نظامی کی ملی صحافت میں دسترس کا مختصر جائزہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

سرزمین اتر پردیش نے اردو کے فروغ کے سلسلہ میں بلاشبہ ایک اہم رول ادا کیا ہے۔ یو۔پی گورنمنٹ کے سروے کے مطابق ۱۹۸۲ء کی صحافتی رپورٹ بے پناہ مسرت کی حامل ہے۔ اس لئے کہ ۱۹۸۲ء میں ۲۵۵۔ اخبارات چھپ رہے تھے جن کا مجموعی سرکولیشن تین لاکھ ساٹھ ہزار تھا۔ ان میں ۵۱ روزناموں، چار سہ روزوں کے سرکولیشن کا عدد ایک لاکھ دس ہزار تھا۔ ۳۷ ماہناموں کا ۷۷ ہزار ۱۱ سہ ماہی اور دیگر جرائد کا سرکولیشن تین ہزار ساٹھ تھا۔

مذکورہ رپورٹ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یو۔پی نے دنیائے صحافت میں بے پناہ ترقی کیا۔ مگر اس ترقی کے باوجود جب ہم اردو داں اور اردو خواں طبقہ کا جائزہ لیتے ہیں تو ۱۹۸۰ء کی رپورٹ کے

مطابق ساڑھے تین کروڑ کی آبادی اردو خواں نظر آتی ہے اس اعتبار سے اردو کے رسالے تعداد میں بہت کم ہیں۔ اس کی بہت سی وجہیں ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہمارا فنی معیار بہت پست ہے۔ زبان کے اعتبار سے دن بدن گراوٹ آتی جا رہی ہے۔ اس کے بہت سے اسباب و علل ہیں۔ سب سے اہم سبب جو اس کے معیار کی گراوٹ کا روز روشن کی طرح عیاں ہے وہ وقت کی کمی کا احساس ہے اخبار کے اراکین کے ذہن پر یہ دھن سوار رہتی ہے کہ مخصوص مدت میں اور مقررہ مقدار میں کام کی تکمیل کرنا ہے۔ تاکہ اس کا پرچہ وقت پر مارکیٹ میں آجائے۔ وقت کی یہ کمی اسے سرپٹ دوڑنے پر مجبور کرتی ہے وہ سلیس اور بامحاورہ زبان کی قید سے آزاد ہو کر ایک کام چلاؤ زبان استعمال کرتا ہے۔ اس حقیقت کے باوجود اردو میں کچھ ایسے کامیاب صحافی پیدا ہوئے جو عام فہم، اور روزمرہ کے الفاظ کو اس خوبی سے استعمال کرتے رہے، جسے ادبی شہ پارہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ان چند صحافیوں میں ایک حضرت علامہ نظامی صاحب کا نام یقیناً شمار کیا جائے گا۔

آپ نے ۱۹۴۹ء میں ماہنامہ پاسبان کا الہ آباد سے اجراء کیا اور مسلسل ۳۵ سالوں تک باوقار انداز سے ملک و ملت اور مذہب کے عقائد کی خدمت کی۔ آپ کی نگاہ عصری تقاضوں پر تھی مستقبل کی ترقی کا، حال کی تعمیر و تربیت سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس کو آپ کی دور رس نگاہوں نے دیکھا اور حقیقت کی تہوں تک پہونچے۔

اے اہل نظر، ذوق نظر خوب ہے، لیکن

جو شئے حقیقت کی کو نہ سمجھے وہ نظر کیا

شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو !!!
جس سے چمن افسردہ ہو وہ باد سحر کیا

مقصود ہنر سوز حیات ابدی ہے
یہ ایک نفس یا دو نفس مثل شرر کیا

علامہ نظامی کی دور اندیشی اور عصری تقاضوں پر گہری نظر رکھنے کے سلسلہ میں ان کے اداریہ کا وہ حصہ پیش کر رہا ہوں، جو ماہنامہ پاسبان کے شمارہ جون ۱۹۶۳ء میں چھپا ہے۔ اور جس کا عنوان ہے "دارالعلوم سے متعلق میرا نظریہ"

" یہ ایک حقیقت ہے کہ مدارس عربیہ نظامیہ ایک بہت ہی جامع اور مکمل نصاب تعلیم کے حامل ہیں۔ لیکن اس نصاب پر صدیاں بیت گئیں اور نت نئے مسائل نے ذہن و فکر کا رخ بدل دیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن و حدیث ہی ہمارے صحیح ماخذ اور سرچشمۂ ہدایت ہیں لیکن اسلام نے اجتہاد کا دروازہ بند نہیں کیا ہے۔ آج بھی نہ صرف رازی و غزالی، بلکہ اپنے وقت کے ابو حنیفہ اور شافعی پیدا ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ اس راہ میں نفس کی بے راہ روی اور مطلق العنانی حائل نہ ہونے پائے۔ ورنہ اس نشہ میں بے لگام شرابی

کی طرح آدمی وہی کہے گا جو ملک کی بعض گمراہ جماعتیں لکھتی ہیں۔ قرآن کو سمجھنا ہے مگر تفسیر کے پُرانے ذخیروں سے نہیں۔ معاذاللہ

کہنا یہ ہے کہ آج کے مسائل نے اندازِ فکر بدل دیا ہے، مثلاً:

(۱) ٹیلیفون اور ریڈیو کی اطلاع سے رویت ہلال کی تصدیق ہوگی یا نہیں۔

(۲) لاوڈ اسپیکر پر نماز درست ہے یا نہیں۔

(۳) بینک اور ڈاکخانے کی جمع شدہ رقم سے زائد روپیہ تجارتی منافع ہے یا سود۔

الف:۔ پھر اس کا لینا درست ہے یا نہیں۔

ب:۔ اگر لے بھی لیا جائے تو اس کا مصرف کیا ہے۔

(۴) ہومیوپیتھک دوا کا استعمال درست ہے یا نہیں؟ چونکہ اس میں الکحل ہوتی ہے۔

الف:۔ الکحل کیا ہے اور اس کا حکم کیا ہے؟

(۵) چلتی ہوئی ٹرین پر اگر نماز پڑھ لی گئی تو ہو جائے گی۔ یا واجب الاعادہ ہے۔

الف:۔ ٹرین اور ہوائی جہاز کو کشتی پر قیاس کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟

(۶) مصلی کے لئے استمداد بالغیر درست نہیں ہے اس جزیہ کے تحت برقی پنکھے بھی آتے ہیں یا نہیں؟

(۷) انجکشن سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں، وغیر ذالک

ایسے ہی بہت سے عقلی مسائل ہیں ۔مثلاً :
(۱) آج سے پہلے آسمان کے خرق والتیام کا انکار کیا گیا اور آج کی سائنس کا کہنا ہے کہ آسمان کوئی شے نہیں یہ تو حد نگاہ ہے ۔
(۲) زمین گردش کرتی ہے یا آفتاب ۔
(۳) چاند میں ایک دنیا آباد ہے ۔ وغیرہ ۔
اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ سوالات ہیں جن کے جوابات نہیں ۔مقصود نگارش یہ ہے کہ آج کے مسائل نے ذہن کا رخ موڑ دیا ہے ۔لہٰذا ہمیں بھی سوچنا ہے کہ وہ کون سی راہ اختیار کی جائے کہ اپنی درسگاہ کے فاضل طلبہ، اسلام پر ہونے والے ایسے سوالات کے تحقیقی جوابات دے سکیں ۔یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ ہم اپنے مضبوط اور کمزور دونوں پہلوؤں کا جائزہ لیں ۔مضبوط کو اور مضبوط و مستحکم کریں اور کمزوری کا ازالہ کریں ۔

اب اس ضمن میں ہم اپنے بعض کمزور پہلو کی طرف ہلکا سا اشارہ کرتے ہیں ۔مثلاً ہماری درسگاہ کے طلبہ گرامر میں کئی برس صرف کرتے ہیں ۔مگر عربی بولنے اور لکھنے پر قادر نہیں ہوتے ۔حالانکہ سند فراغت لیتے وقت انھیں زبان پر قدرت تام ہونی چاہیئے ۔
ایسے ہی صرف میں اس کا بھی امکان ہے کہ علم الصیغہ اور فصول اکبری کی جگہ صرف ایک ہی کتاب داخل نصاب

ہو۔مگر اس میں کسی صاحب کو محنت کرنی پڑے گی۔ علم الصیغہ کی بحث اسمائے مشتقات اور مہموز اور اصول معتل کو لے لیا جائے۔ اور فصول اکبری سے خاصیت الواب۔ اس میں کورس ہلکا ہو جائیگا۔ طلبہ زیر بار بھی نہ ہوں گے اور کم وقت میں اتنی ہی استعداد بھی پیدا ہو جائے گی۔

ایسے ہی مقامات حریری، سبع معلقہ، حماسہ اور متنبی جیسی کتابیں محض تحفظ زبان کی خاطر ہیں۔لیکن اب وہ رائج الوقت زبان نہیں ہے لہٰذا اس کی جگہ رائج الوقت ادب داخل نصاب کیا جائے۔ تاکہ طلبہ عربی اخبارات ورسائل کو بہ آسانی پڑھ سکیں اور سمجھ سکیں۔اگر زبان میں یہ صلاحیت پیدا ہوگئی تو اسی کے سہارے طلبہ خود اپنی قوت مطالعہ سے کہیں سے کہیں پہونچ جائیں گے۔مگر ان کو تو ایسے مواقع ہی دستیاب نہیں ہوتے۔

ایسے ہی معقولات کی کتابوں کے کچھ خلاصے ترتیب دیئے جائیں جس سے تھوڑی مدت میں طلبہ ایک معیاری صلاحیت کے مالک ہو جائیں۔

مقصد یہ ہے کہ نصاب کو سہل العمل، اور سہل الحصول بنایا جائے۔اگر میری اس جسارت کو میرے معاصر نظر انداز فرمائیں تو میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انسان اس کا دشمن ہوتا ہے جو اسے نہیں آتا۔

ایسے ہی ہماری درسگاہ کے جو اساتذہ ادب میں
کمزور ہوتے ہیں وہ اس فن میں کیڑے نکالتے ہیں ۔
ارے بھائی اس میں کیا رکھا ہے ۔ رکھا تو بہت کچھ ہے
مگر چونکہ یہ فن آپ کو نہیں آتا اسلئے اپنی کمزوریوں پر
پردہ ڈالنے کے لئے یہی حسین صورت ہوسکتی ہے
کہ اس فن ہی کو کنڈم دکھلا دیا جائے

ایسے ہی جن لوگوں کو عربی میں تھوڑی سی شُدبُد
ہوتی ہے تو وہ اپنے اظہار لیاقت کی خاطر نادانی اور
ناسمجھ لڑکوں کو عربی میں تحریر و تقریر کی مشق شروع
کرا دیتے ہیں جن کا حاصل تضیع اوقات کے علاوہ
اور کچھ نہیں ۔

ایسے ہی جن لوگوں کو معقولات سے دلچسپی نہیں
ہوتی تو وہ یہ کہہ کر اپنا دامن بچا لیتے ہیں علم فقہ تفسیر
وحدیث ہے جن کو نحو سے دلچسپی ہے وہ یہ کہا کرتے
ہیں نحویاں را مغز باشد چوں شہاں الخ

بہرکیف ان لطائف وظرائف سے درسگاہوں
کا معیار اونچا نہیں ہوسکتا ۔ افسوس یہ ہے کہ یہ عنوان
بہت تفصیل طلب ہے اور شذرات کی چند سطریں
اس کی متحمل نہیں ۔ اسلئے برسرراہ ایک اشارہ کرکے
گذر جاتا ہوں ۔

ایسے ہی تعلیم کے ساتھ ہماری درسگاہیں
ایک مخصوص انداز تربیت چاہتی ہیں ۔ اسکول اور

کالج کے طلبہ کالج کے باہر خواہ کچھ بھی ہوں مگر ان کی کالج کی زندگی ایک دستور و ضابطہ کی پابند ہوتی ہے۔ وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر کالج کے قانون کی خلاف ورزی کی اور کالج سے نکال دیئے گئے۔ تو اس وقت تک دوسرے کالج میں داخلہ نہیں ہو سکے گا تاوقتیکہ یہ کالج ہمارے چال چلن کی تصدیق نہ کر دے لیکن افسوس کہ ہماری درسگاہ کا طالب علم خواہ کتنی ہی قبیح حرکت کیوں نہ کر بیٹھے مگر دوسرا مدرسہ اس کے چال چلن کی تصدیق کے بغیر اس کا داخلہ کر لے گا۔ سوچیئے! کہ قانون کی ایک دفعہ سے لاپرواہی برتنے سے فواحش کے کتنے دروازے کھل جاتے ہیں۔

ایسے ہی ہماری درسگاہ کے طلبہ دورۂ حدیث میں ہوتے ہوئے بھی یہ نہیں جانتے ہیں کہ ہمیں آئندہ زندگی میں کیا کرنا ہے۔ اور ہم خصوصی طور پر کس صلاحیت کے مالک ہیں۔ اب خواہ مدرسی مل جائے یا امامت یا سفارت و تبلیغ وغیرہ۔ حالانکہ ہوش و گوش کے بعد طالب علم کو اپنی راہ متعین کر لینی چاہیئے اور اس میں ہمارے اساتذہ کی بھی ذمہ داری کو دخل ہے کہ وہ طالب علم کی صلاحیت پرکھ لینے کے بعد اس میں اس فن کا کمال پیدا کر دیں تاکہ وہ اس توانائی سے سند فراغت اپنے ہاتھ میں لے کے ہر اونچی سے اونچی درسگاہ سنبھال

سکتا ہو یا منصب افتاء کی ذمہ داری بخوبی انجام دے سکتا ہو یا لاکھوں کے مجمع میں اپنی شان خطابت کے جوہر دکھا سکتا ہو۔ یا شائستہ وصحت مند لٹریچر سے قوم کا ذہن وفکر بدل سکتا ہو۔ وغیرہ۔ اگر شرح جامی کے بعد طلبہ میں یہ شعور پیدا کر دیا جائے اور طالب علم خود بھی اپنی اس چھپی ہوئی طاقت کی ٹوہ میں پڑ کر اس کا صحیح اندازہ کرے تو وہ اپنی صلاحیت کو بروئے کار لانے میں خود بھی اپنی راہ متعین کر سکتا ہے۔ میں اس بات کا قطعاً قائل نہیں کہ ہماری درسگاہ کا شیخ الحدیث ہر فن کا ماہر ہوتا ہے۔ اس کو مہارت کسی اور ہی فن میں ہوتی ہے۔ بقیہ دوسرے فنون پر اس کی ذیلی نگاہ ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر طلبہ میں یہ شعور پیدا کر دی جائے تو کچھ دنوں بعد ہماری درسگاہوں سے علیحدہ علیحدہ فن میں ماہرین فن نکل سکتے ہیں جن پر ہم بجا طور پر فخر کر سکیں گے اور آج ہماری درسگاہوں کو ایسے ہی ماہرین فن کی ضرورت ہے۔

واضح رہے اپنی کمزوریوں کا جائزہ اور اس کا اظہار بے سبب نہیں ہے جس قوم یا جس جماعت میں تنقید کا مادہ نہیں وہ کبھی بھی آگے نہیں بڑھ سکتی۔ باہمی خلوص ومحبت کا یہی تقاضا ہے کہ آپ ہماری کمزوریوں پر ہمیں مطلع کریں اور ہجوم مشاغل سے جس کی طرف آپ کی توجہ نہ ہو سکی ہم انگلیوں کے اشارے سے اس

کی نشاندہی کر دیں۔ تنقید اگر تنقیص کے پیش نظر ہے
تو یہ ایک ناقابل معافی جرم ہے لیکن اگر نقد و نظر
مقصود ہے تو یہی ترقی کا زینہ ہے۔

خِطَابَتُ

تقریر کسی ممتاز شخص کے اس گفتگو کو کہتے ہیں جو کسی ملکی، دینی، قومی اور سماجی مسئلہ یا زندگی کے کسی اہم پہلو پر کسی مجمع کے سامنے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت اس غرض سے کرے کہ وہ مجمع کو متاثر کر سکے اپنا ہم خیال بنالے۔ اسلئے ایسا طرز بیان اختیار کرنے کی ضرورت پڑتی ہے جس سے مجمع کے افراد اپنے خیالات و نظریات اور رایوں کو مقرر کے خیالات و نظریات اور رایوں کے مقابلے میں چھوڑ دیں اور خطیب کے ہم خیال ہو جائیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ تقریر کے اندر مندرجہ ذیل شرطیں پائی جائیں۔

(۱) سننے والوں کو اپنے انداز خطابت اور قوت استدلال کے ذریعہ مطمئن کر کے اپنا ہم خیال بنانے کی بھرپور صلاحیت کا ہونا ضروری ہے۔

(۲) سننے والوں کو اس بات پر آمادہ کر لینا کہ وہ جو کچھ کہتا ہے اسے مان لیں۔ اور جو کرانا چاہتا ہے اسے کرنے لگیں۔ اس طرح مقرر کے اندر دو صفات کا ہونا لازمی ہے۔ ایک مطمئن کرنے کی صلاحیت اور دوسرے سننے والوں کو اپنی طرف کھینچنے کی صلاحیت۔

(۳) مخاطب کی عقلی اور ذہنی کیفیت و سطح سے پوری طرح واقف ہو

پھر جس موضوع پر بول رہا ہے اس میں اسے مہارت تامہ حاصل ہو۔ اور زبان پر ایسی قدرت ہو کہ جب بولنا شروع کرے تو اپنی قوتِ بیان کی جاذبیت، الفاظ کے زیر و بم و خوبصورتی، قوت استدلال کا اچھوتا پن اور ندرت سے سامعین کے دل و دماغ پر اس طرح چھا جائے کہ وہ پوری طرح مطمئن ہو کر وہ سب کچھ کہنے لگے جو مقرر ان سے کہلوانا چاہتا ہے یا وہ سب کچھ کرنے لگے جسے مقرر ان سے کرانا چاہتا ہے۔

حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی ایسے خطیب تھے کہ جتنے بھی لوازمات ایک اچھے خطیب میں پائے جا سکتے ہیں وہ بدرجۂ اتم ان کے اندر پائے جاتے تھے بلکہ ان کی تقریر سننے کے بعد ایک فطری خطیب کا تصور ہوتا تھا۔ پاسبان ملت ایک فلک وقار خطیب ایک جادو بیان مقرر اور ایک عرشی خیال مفکر تھے۔ ے

ان کی باتوں میں مسیحائی کی تاثیر رہے
لبِ جاں بخش سے نکلی ہوئی تقریر ہے

پاسبان ملت کی تقریر کا جادو ہر سامع پر یکساں چلتا ہے، ان کی آواز پر وقار لب و لہجہ شیریں، ان کے استدلال اچھوتے، ان کے خیالات پاکیزہ، ان کی مثالیں نادر اور ان کا گھن گرج ایسا کہ باطل کا سینہ پھٹ جائے، اور دل کا ہر تار جھنجھنا جائے۔ خطابت کا ایسا سیل رواں جسمیں باطل کا سفینہ خس و خاشاک کی طرح بہہ جائے۔ اس کے ساتھ ہی جب فضائل پر بولتے ہیں تو سامع نواز اور دل آویز زبان استعمال کرتے اور رہرو انٹرنٹ کے جذبات بھی پوری طرح واضح ہو جاتے۔ اور کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہتا۔ معنی خیز

تشبیہوں، نئی نئی تمثیلوں اور تراشے ہوئے جملوں کے ذریعہ وہ جادو جگاتے کہ ان کی تقریر کا ہر لفظ بولنے لگتا اور پورا مجمع ان کی مضبوط گرفت میں رہتا۔ خطیب مشرق کی ایک نادر تمثیل ملاحظہ فرمائیے:-

"وحدت الوجود جیسا بار یک مسئلہ کو ہر خاص و عام کے ذہن میں سامنے کی تمثیل سے اتارتے ہیں، وہ فرماتے ہیں:

"سمندر ہے اس میں جوار بھاٹا ہے، اس میں لہر ہے اس میں تموج ہے، اس میں حباب ہے مگر یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ حباب تو ہے پانی نہیں ہے، موج تو ہے، پانی نہیں ہے، لہر تو ہے مگر پانی نہیں ہے، جوار بھاٹا تو ہے مگر پانی نہیں ہے۔ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا ممکن ہی نہیں ہے۔ کہنا پڑے گا کہ پانی ہے تب اس میں جوار بھاٹا بھی ہے، پانی ہے تب اس میں لہر بھی ہے، پانی ہے تب اس میں تموج بھی ہے پانی ہے تب اس میں حباب بھی ہے، پانی نہیں ہے تو کچھ نہیں ہے۔ اس پانی کو ماننا ہوگا تب ہی سب مانے جائیں گے۔ ایسے ہی ہمہ از اوست کا جو قائل ہے وہ انسانی ذہن میں اتار دیتا ہے کہ خدا ہے جب ہی تجلی ہے، خدا ہے جب ہی چاندنی ہے، خدا ہے جب ہی گردش لیل و نہار ہے، وہ ہے اسی لیے گلستاں کا جمال ہے، وہ ہے اسی لیے سورج کی کرن ہے، وہ ہے اسی لیے پہاڑوں کی برفانی چوٹیاں دعوت نظارہ دے رہی ہیں!

ہیں۔ وہ ہے اسی لئے زندگی کی دھڑکن موجود ہے،
وہ ہے اسی لئے آبشار کا نغمہ سنا جا رہا ہے۔ وہ ہے
اسی لئے موتیوں کی جھلملاہٹ دیکھی جا رہی ہے، وہ
ہے اسی لئے سب ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ ہر آدمی
کی سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ ؂

تو دل میں تو آتا ہے، سمجھ میں نہیں آتا
ہم جان گئے بس تیری پہچان یہی ہے "

شرک جیسا اہم مسئلہ جسکی حقیقت بے شمار پڑھے لکھے آدمی نہیں جانتے ہیں مگر حضرت علامہ نظامی اسکی ایک نہایت سادہ اور حسین تمثیل پیش کرتے ہیں:۔ جس سے ان پڑھ لوگ بھی بہت آسانی سے شرک کی حقیقت سے واقف ہو جاتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"اللہ رحمٰن ہے، رحیم ہے، غفور ہے اس کے باوجود شرک کو نہیں معاف فرماتا ہے۔ اس لئے کہ شرک بہت بڑا گناہ ہے"۔

اس کی تمثیل پیش کرتے ہیں:۔

ایک شوہر نے اپنے مکان کی آرائش میں بے پناہ روپیہ صرف کیا۔ ایک دن آتا ہے دیکھتا ہے سارا گھر جلا ہوا ہے، ساری آرائش کی چیزیں خاک کا ڈھیر بنی ہوئی ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ بیوی کی حرکت ہے۔ شوہر غصہ سے کانپ رہا ہے، اس کے تیور کو بیوی دیکھتی ہے۔ قدموں پہ گر جاتی ہے۔ پیارے شوہر!

غلطی ہو گئی۔ میرے سرتاج! مجھے معاف کر دیجئے۔ عورت
کے آنسو اس کے شوہر کے جذبات کو ٹھنڈا کر دیتے ہیں
اور شوہر سوچتا ہے کہ بیوی شریک حیات ہے غلطی
ہو گئی معاف کر دو۔ معاف کر دیا۔ کچھ ہی دن گزرے
ہیں کہ پھر ایک عظیم حادثہ پیش آیا۔ گھر کی ساری دولت
بیوی کی غفلت کی نذر ہو گئی ہے۔ عمر بھر کی کمائی لٹ
چکی ہے۔ پھر بیوی پکڑتی ہے، معافی مانگتی ہے،
گڑگڑاتی ہے۔ شوہر کا دل پسیج جاتا ہے۔ معاف
کر دیتا ہے۔ وہی شوہر ایک روز اچانک گھر میں
قدم رکھتا ہے۔ دیکھتا ہے کہ ایک اجنبی مرد ہے
جس سے میری شریک حیات شریک محبت ہو چکی
ہے۔ جیسے ہی اس نے دیکھا پیکر جلال بن گیا،
غیض و غضب کا مجسمہ نظر آنے لگا۔ بیوی معافی
مانگتی ہے مگر شوہر کہتا ہے طلاق، طلاق، طلاق۔
کیوں؟ وہی بیوی تھی گھر کو جلا دیا۔ گناہ کیا، معاف
کر دیا۔ وہی بیوی تھی دولت لٹا دیا۔ گناہ کیا۔ معاف
کر دیا۔ اب وہی بیوی ہے شریک محبت اجنبی مرد کو
بنایا۔ راندۂ درگاہ کر دیا۔ مردود بارگاہ بنا دیا۔ کیوں
اس لئے کہ پہلے گناہ کیا تھا اب شرکت محبت کر رہی
ہے۔ ایسے ہی پروردگار گناہ گاروں کو معاف
فرما دیتا ہے۔ مگر جس نے شرکت محبت اختیار کیا
یعنی جو شرک کا مرتکب ہو گیا اس شرکت محبت کی

بنیادی پر پروردگار غفور ہونے ہوئے، رحمن و رحیم ہوتے ہوئے شرک کو معاف نہیں کرتا ہے۔ چونکہ شرکت سب سے بڑا گناہ ہے۔ اور شرک کہتے ہیں اللہ کی ذات و صفات میں کسی کو شریک کرنا۔"

ایک تقریر ابوالکلام آزاد نے ۱۹۴۷ء میں شاہجہانی مسجد میں منبر پر کی تھی جس کے بارے میں رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں:

"جیسے بوڑھے سردار کی شریانوں میں خون کے ساتھ غیرت و حمیت کے شرارے کوندنے لگے۔ اور ایسا معلوم ہونے لگا جیسے زلزلہ کے بعد زمین شکستہ میکن نیں ہمواری اور زمین پر بسنے والوں کے لئے استقامت آگئی۔"

مگر حضرت علامہ نظامی کی تقریر کا حال یہ ہے کہ آپ کی تقریر جمال و جلال دونوں کا سنگم ہے۔ جب شاتم رسول کا رد کرتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ نجد اور سہارنپور پر بمباری کر رہے ہیں۔ اور ہر جملہ میں ایک قلعہ فتح کرتے جا رہے ہیں۔ بے شمار تذبذب قسم کے لوگ تقریر کے دوران ہی ایمان راسخ کا مظاہرہ کرتے نظر آتے دوران تقریر برمحل قرآنی آیتوں کا اور احادیث کے ذخائر کو پیش کرنے کا ایک ایسا خاص سلیقہ حاصل کہ بڑے بڑے شہسواران فن گرد منزل نظر آتے ہیں۔

نپولین کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ اس کی فوج کا ایک حصہ اس سے باغی ہو گیا اور علیحدہ ایک گروہ بن گیا۔ نپولین خالی ہاتھ

گیا اور ان کے سامنے ایسی تقریر کی کہ ساری قوم اس
بہادر جرنل کے ساتھ واپس آ گئی۔ حضرت پاسبان ملت
کا حال تو یہ ہے کہ اپنے بڑے سے بڑے باغی فوجی گروہ
کو صرف مسکرا کر چند ہی جملے بول کر منا لینے کی صلاحیت
رکھتے ہیں۔ خطیب مشرق ایسی ہیں بحر ظلمات میں گھوڑا دوڑانے
کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

یوں مسکرائے جان سی کلیوں میں پڑ گئی!
یوں لب کشا ہوئے کہ گلستاں بنا دیا

اس تقریر میں ایک عظیم نکتہ زمانہ کے سلسلہ میں پیش کرتے
ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:
ماضی، حال، مستقبل سب مانتے ہیں مگر کچھ صرفی ایسے
ہیں جو حال کو نہیں مانتے۔ کیوں؟ اس لئے کہ حال کے
وجود کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ اس کی مختصر تفصیل یہ ہے
کہ ابو العلا مصری نے زمانے کا پورا پھیلاؤ تین ذلوں کے
اندر سمیٹ دیا تھا۔ کل جو گذر گیا، آج جو گذر رہا ہے
کل جو آنے والا ہے لیکن تین زمانوں کی تقسیم میں نقص
ہے کہ جسے ہم حال کہتے ہیں۔ درحقیقت وہ ہے کہاں
یہاں وقت کا جو احساس ہمیں میسر ہے وہ یا تو ماضی کی
نوعیت رکھتا ہے یا مستقبل کی۔ اور ان ہی دونوں
زمانوں کی ایک اضافی تسلسل ہے جسے حال کے
نام سے پکارتے ہیں۔ ادھر ہم اس کا پیچھا کرتے ہیں
لیکن ادھر ہم نے پیچھا کرنے کا خیال کیا ادھر اس نے

اپنی نوعیت بدل دی۔ اب یا تو ہمارے سامنے ماضی ہے، جو جا چکا، یا مستقبل ہے جو ابھی آیا ہی نہیں ہے۔ اس کو بہت آسان کر کے ذہن بناتے ہیں کہ مستقبل ایک گوڈاؤن ہے اور ماضی ایک گڈاؤن ہے۔ حال کا کام یہ ہے کہ وہ مستقبل سے لیتا ہے اور ماضی کو دیدیتا ہے۔ اس کا کانٹا چلتا ہے تو کائنات کی دھڑکن سمجھ میں آتی ہے۔ اس کے کانٹا سے گھنٹہ سمجھ میں آتا ہے، منٹ سمجھ میں آتا ہے، حال سمجھ میں آتا ہے۔ یہ چلتا ہے تو ساری دھڑکن محسوس ہوتی ہے۔

آج کی شب حضور اپنے حال میں تشریف لے گئے یعنی مکاں سے لامکاں تشریف لے گئے۔ زمین اپنی جگہ ساکن، آسمان اپنی جگہ ٹھہرا ہوا، بستر کی گرمی رکی ہوئی، زنجیر کا ہلنا رکا ہوا، پانی کی روانی رکی ہوئی، گردش لیل و نہار ٹھہری ہوئی، اے حال تجھے کیا ہو گیا ہے تو حال زبان حال سے یہ کہتا ہے کہ حضور اپنے حال میں آ گئے ہیں۔ اس لئے میرا یہ حال ہو گیا ہے۔"

حضرت علامہ نظامی معراج مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر تقریر فرماتے تھے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مجمع ان تمام مناظر کو دیکھ رہا ہے اور جب تقریر ختم ہو جاتی تو سارا مجمع دم بخود رہ جاتا۔ ع

اٹھ گیا ناوک فگن مارے گا دل پر تیر کون

ایسی ایسی نادر مثالیں حضرت علامہ نظامی کی تقریر میں پائی

جاتی ہیں جن کو سننے کے بعد ہر ذی ہوش طبقہ یہ کہنے لگتا ہے ۔

؏ بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

حضرت علامہ سامعین کے گوش دل میں پوری صداقتوں کے ساتھ اتر جانے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے ۔ اور سامعین یقین کے اجالے میں یہ کہتے تھے ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا !
میں نے یوں سمجھا کہ گویا وہ بھی میرے دل میں ہے

خطیب مشرق کی تقریر شعلہ بھی تھی اور شبنم بھی ۔ باطل کیلئے شعلہ ہے اور اپنوں کے لئے شبنم ۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

کی مکمل تفسیر تھے ۔ ان کا ہمیشہ یہ نظریہ تھا کہ اپنوں کے ساتھ قوت آزمائی کی بجائے تسخیر قلوب کا راستہ اختیار کیا جائے ۔ چونکہ ان کی نگاہیں زمانہ کے نشیب و فراز کی جانب دیکھ رہی تھیں ۔ اور ان کی انگلی حالات کی نبض کی حرکت پر تھی ، وہ کہتے تھے حالات کا محاصرہ تنگ ہوتا جارہا ہے اور وقت کی رفتار تیز تر ہوتی جارہی ہے اس لئے کسی قوم کی ترقی کے لئے یہ ضروری ہے کہ کسی کو پوری جماعت اپنا سرپرست تسلیم کرے ورنہ بے نیل و مرام جماعت ، جماعت ہی نہیں کہلاتی ہے ۔ اور اگر کوئی شخصیت قوم کو تسلیم نہیں ہے تو کسی تنظیم کو تسلیم کرلے تاکہ اس کے قوانین سب پر یکساں اثر انداز ہوسکیں ۔ اس مقصد کو خلوص کے ساتھ پیش کرتے ہیں چاہے وہ نجی محفل ہو یا مجمع عام ۔ وہ کہتے تھے کہ بریلی ہمارا مرکز ہے ۔ اس لئے کہ بریلی والے کے کارنامے ، ان کا کردار ہمیں مجبور

کرتا ہے کہ ہم اسے اپنا مرکز تسلیم کرلیں۔ مرکز فلک بوس اور پرشکوہ، عمارت کا نام نہیں ہے۔ یا کسی بڑی درسگاہ کا نام نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ کردار ہے جو پورے دائرے کو محیط ہو اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جب بھی ملت پر کوئی افتاد آتی ہے تو سارے ہندوستان کے دارالافتا کے مفتی کا قلم کانپ گیا ہے۔ کچھ لوگوں نے تو دارالافتا چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرلیا۔ اور کچھ لوگوں کے قلم عیاران وقت کے ہاتھوں بک گئے۔ لیکن اگر کوئی دارالافتا ایسے موقع پر اسلام کی خدمت اور حقانیت کی حفاظت کا حق ادا کیا ہے تو وہ صرف اور صرف بریلی ہے

حضرت علامہ نظامی صاحب جب بھی محفل میں گفتگو کرتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے دین کا جوئے شیر رواں ہو اور تشنگان علم و حکمت پورے طور سے سیراب ہو رہے ہوں ان کی گفتگو بھی کسی اچھی محفل کی تقریر کا مختصر حصہ معلوم ہوتی تھی اور اس وقت برملا کہنا پڑتا تھا کہ آپ فطری خطیب تھے بلکہ مجھے یہ کہنے میں مبالغہ نہیں معلوم ہوتا کہ علامہ نظامی ایسے خطیب تھے جو دوسروں کو چند ہی صحبت میں خطیب بنا دیتے تھے۔ وہ مقرر بنانے کا ایک انسٹی ٹیوشن تھے جو سوکھی ندیوں اور خشک نالوں کو رواں کر دیتے تھے۔ اور اپنے جذبۂ اسلام کی کھیتی کو سیراب کرنے کا امتیازی تمغہ حاصل کرتے تھے

خطیب مشرق کی امتیازی شان یہ تھی کہ وہ ایک منکسر المزاج منجھے ہوئے جادو بیان مقرر ہونے کے باوجود اپنی کسی بھی محفل میں

کبھی اپنی نکتہ آفرینی اور سخن دانی کا ذکر جملہ معترضہ کے طور پر بھی نہیں کیا بلکہ ہمیشہ خاکساری کا پیکر بنے رہے۔ مگر اب حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ اکثر حضرات اپنی تعریف و توصیف میں وہ گل کھلاتے ہیں کہ ہر محفل میں اپنی گرم گفتاری اور تقریر کی معرکہ آرائی کا ذکر لانا لازمی سمجھتے ہیں۔ خود ہی اپنے کو علامہ، رشک خطابت، مجاہد سنیت اور فقیہ الہند لکھتے ہیں۔ اور کبھی توصیف باہمی کی انجمن کام کرتی ہے۔

ع من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو

غیرت کو بھی اس وقت حیرت ہوتی ہے جب کم مایہ انسان جس کے حدود پرواز کو مجمع جانتا ہے وہ بھی یہ کہتا ہے کہ میں آپ کو وہی پیغام سنانا چاہتا ہوں جو میں نے اسی مہینہ میں بمبی کے ایک لاکھ کے مجمع میں سنایا اسی مہینہ میں کشمیر کے دو لاکھ کے مجمع میں سنایا۔ اسی مہینہ میں آسام کے پانچ لاکھ کے مجمع میں سنایا۔ اسی مہینہ میں آندھرا پردیش میں چھ لاکھ کے مجمع کو سنایا۔ اسی ماہ کرناٹک میں سات لاکھ کے مجمع کو سنایا، حیدرآباد کے آٹھ لاکھ کے مجمع کو سنایا، راجستھان کے نو لاکھ کے مجمع میں سنایا۔ الہ آباد میں دس لاکھ، کانپور میں گیارہ لاکھ کو سنایا۔ اور یہی پیغام آج میں پٹنہ کی محفل میں آپ کو سنا رہا ہوں۔

گر ہمیں مکتب و ملا، کارِ طفلاں تمام خواہد شد

حضرت فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں خلیق احمد نظامی نے لکھا ہے کہ وہ جب کسی سے خوش ہوتے تو دعا دیتے کہ اللہ تعالیٰ تجھے درد عطا کرے۔ اس کی ترجمانی مجدد ملتِ بیضاء مؤید ملت طاہرہ امام احمد رضا علیہ الرحمہ والرضوان نے یوں فرمائی ہے

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا

جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں

حضرت پاسبان ملت کا دل بھی ایک عاشق رسول کا دل تھا وہ پرسوز تھا، پُر درد تھا۔ جب بھی کوئی ساز دل کے تار کو چھیڑ دیتا تو ان کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے

غم کو چھپائیں ہم نشیں، غم کے اثر کو کیا کریں
آنکھ پہ اختیار کیا، دیدۂ تر کو کیا کریں

مگر اس کے باوجود اکثر وہ اپنے اس شعر پر عمل کرتے ہیں۔

کچھ نہ بولوں گا زباں سے، ان کی بزم خاص میں
آنسوؤں کے ساز پہ کہنا ہے افسانہ مجھے

وہ جب غم کا ذکر کرتے ہیں تو پورا مجمع غم کدہ بن جاتا ہے اور جب وہ سرور کی باتیں کرتے ہیں تو پورا مجمع کیفیت سرور سے لطف اندوز ہو جاتا ہے۔ اور جب وہ باطل پر حملہ کرتے ہیں تو ان کا جملہ جملہ شرارہ بن جاتا ہے جو خرمنِ اعداء کو خاکستر کرتا نظر آتا ہے۔

حضرت پاسبان ملت کا حال یہ ہے کہ ان کے اندر اتنی خوبیاں جمع ہو گئی ہیں کہ یہ کہنا مشکل ہے کہ کون سی خوبی سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ قوت تحریر زبردست ہے یا قوت تقریر۔ اسلئے کہ آپ دونوں میں اپنی مثال آپ ہیں۔ ان کی ذہانت زیادہ ہے یا حافظہ زیادہ قوی ہے دونوں عالم کمال کی سرحدوں کو چھو رہا ہے۔ ان میں قوت برداشت زیادہ ہے یا برجستگی زیادہ ہے۔ یہ دونوں صفتیں اپنے اعلیٰ معیار پر ہیں۔ دوستوں نے اگر کچھ کہہ دیا تو خاموش ہیں دشمن اسلام نے اگر آنکھیں دکھادیں تو آنکھیں نکال لی گئیں۔ اس کا صحیح اندازہ وہی کرسکتا ہے جن میں ان خوبیوں کو سمجھنے کی بھرپور صلاحیت ہو۔

میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ ان کی شخصیت کا گلدستہ رنگ رنگ کے پھولوں سے آراستہ ہے اور ہر رنگ اپنی جگہ اتنا گہرا اور واضح ہے کہ یہ طے کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ کونسا رنگ دوسرے رنگ پر حاوی ہے۔



خدمتِ خلق

حیات لے کے چلو کائنات لے کے چلو
چلو تو سارے زمانہ کو ساتھ لے کے چلو

خدمتِ خلق

ایک بزرگ سے پوچھا گیا کہ خدا تک پہونچنے کے کتنے راستے ہیں۔آپ نے جواب دیا کہ موجودات عالم کا ہر ذرہ خدا تک پہونچنے کا ایک راستہ ہے۔مگر سب سے نزدیک تر راہ خلقِ خدا کی راحت کا انتظام ہے۔

انھوں نے یہ بھی بتایا کہ اس گروہ کے اوراد و وظائف اور عبادتیں اتنی ہیں جو بیان نہیں کی جاسکتی ہیں مگر کوئی عبادت خدمتِ خلق سے افضل اور مفید تر نہیں ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ حضور سے پوچھا گیا:

ای صدقة افضل قال خدمة عبد فی سبیل اللہ افضل قسطا طا

(کونسا صدقہ زیادہ افضل ہے۔فرمایا بندے کی خدمت خدا کی راہ میں کرنا۔یا سائے کی غرض سے خدا کی راہ میں شامیانے لگانا یا خدا کی راہ میں اونٹ اور کشتی دینا۔)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

الساعی علی الارملۃ والمساکین کالمجاھد فی سبیل اللہ او کالذی یصوم النھار ویقوم اللیل"

(بیوہ عورتوں کے کام میں دوڑنا اور غریبوں اور مسکینوں کی خدمت

بجا لانا ایک مجاہد کی طرح ہے خدا کی راہ میں ۔ یا ان لوگوں کی طرح ہے
جو دن کو روزہ رکھتے ہیں اور راتوں کو عبادت کرتے ہیں ۔)
بزرگوں میں یہ بات مشہور رہے کہ جو زیادہ خدمت کرتا ہے
وہ زیادہ بزرگ اور پیارا ہوتا ہے ۔ دلوں میں خوش آئند اور نگاہیں
ان کی طرف مائل رہتی ہیں ۔ کہ "سید القوم خادمہم"
اسی طرح عرب کے ایک بزرگ سے پوچھا گیا بما سُدت قال خدمت
فسدت ۔ تمھیں سرداری کیسے ملی ۔ فرمایا لوگوں کی خدمت سے ۔
مذکورہ احادیث اور جاں بخش روایت کی روشنی میں علامہ
نظامی صاحب کی خدمات کا جائزہ لیا جائے تو وہ احادیث کریمہ کا
عملی نمونہ نظر آتے ہیں ۔ بے شمار مدارس کا قیام، اس میں غریب و یتیم
طلبہ کی زندگی کو سنوارنے کا اعلیٰ انتظام، خدمت خلق ہی کے جذبے
کی تسکین ہے، مسافروں، غریبوں اور پریشاں حال انسانوں کو
کھانا، لباس اور دوا کا انتظام کر کے رات دن کی جانکاہ مشقت
اٹھا کر علم نافع سے سنوار کر کارزار حیات میں کھڑا کر کے لاکھوں
انسانوں کا قائد اور رہنما بنا دینا خدمت خلق کا اعلیٰ نمونہ ہے ۔
اگر طلبہ کی فہرست ملاحظہ فرمائیں تو ان کے فیضان کا اندازہ آسانی
سے ہو جاتا ہے ۔ میں صرف ایک مدرسہ کے ایک سال کی رپورٹ
پیش کروں گا ۔ جس سے تمام مدرسے اور ہر سال کا اندازہ آسانی سے
لگایا جا سکتا ہے ۔
۱۹۸۸ء کی رپورٹ جو دارالعلوم غریب نواز کے ناظم اعلیٰ
مولانا انوار احمد نظامی اور اراکین کی جانب سے چھپی ہے ۔ قارئین کی
تعداد ۱۸۶ ہے ۔

تعلیمی جِدّت

قیامت ہو گی پھر برپا دیارِ علم و دانش میں
کہ میخانے سے پھوٹی صبح کی پہلی کرن ساقی

حضرت علامہ نظامی صاحب وہ بالغ نظر مفکر ہیں جنکی نگاہ دیکھ رہی ہے کہ سوزِ حیاتِ ابدی سے محرومی اب کالجوں اور یونیورسٹیوں ہی میں نہیں ہے بلکہ ہمارے اکثر دینی مدارس میں زیادہ افسوسناک حد تک ہے۔

عشق کی تیغ جگر دار اڑائی کس نے
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی

دوسری افسوسناک حالت خود انھیں کی زبانی سنئے۔ جو انھوں نے پاسبان کے شمارہ جون ۱۹۶۳ء کے اداریہ میں تحریر فرمایا ہے:۔

"ہم اپنے بعض کمزور پہلو کی طرف ہلکا سا اشارہ کرتے ہیں۔ مثلاً ہماری درسگاہ کے طلبہ گرامر میں کئی برس صرف کرتے ہیں مگر عربی بولنے اور لکھنے پر قادر نہیں ہوتے۔ حالانکہ سندِ فراغت لیتے وقت انھیں زبان پر قدرت تام ہونی چاہیئے۔ ایسے میں صرف اس کا بھی امکان ہے کہ علم الصیغہ اور فصول اکبری کی جگہ صرف

ایک ہی کتاب داخلِ نصاب ہو۔

.... مقصد یہ ہے کہ نصاب کو سہل العمل اور سہل الحصول بنایا جائے۔"

ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:-

"ہماری درسگاہ کے طلبہ دورۂ حدیث میں ہوتے ہوئے بھی یہ نہیں جانتے کہ ہمیں آئندہ اپنی زندگی میں کیا کرنا ہے اور ہم خصوصی طور پر کس صلاحیت کے مالک ہیں۔ اب خواہ مدرسی مل جائے یا امامت، یا سفارت و تبلیغ وغیرہ۔ حالانکہ ہوش و گوش کے بعد طالب علم کو اپنی راہ متعین کرلینا چاہیئے۔ اور اس میں ہمارے اساتذہ کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ طلبہ کی صلاحیت پرکھ لینے کے بعد اس میں اس فن کا کمال پیدا کرادیں۔ تاکہ وہ اس توانائی سے سندِ فراغت اپنے ہاتھ میں لے کہ میں ہر اونچی سے اونچی درسگاہ سنبھال سکتا ہوں۔ یا منصب افتا کی ذمہ داری بخوبی انجام دے سکتا ہوں۔ یا لاکھوں کے مجمع میں اپنی شانِ خطابت کے جوہر دکھا سکتا ہوں یا شائستہ وصحت مند لٹریچر سے قوم کا ذہن وفکر بدل سکتا ہوں ....."

مذکورہ اسباب وعلل نے حضرت پاسبانِ ملّت کو مجبور کیا کہ وہ ہندوستان میں تعلیمی انقلاب برپا کریں۔ اس جذبے کی تسکین کے لئے انھوں نے بے شمار شہروں، دیہاتوں میں درسگاہیں قائم کیں۔

اور ایک اہم نصاب تعلیم درسگاہوں کے حوالے کیا۔ علامہ نے جتنی درسگاہیں قائم کیں ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے :۔

(۱) دارالعلوم غریب نواز الٰہ آباد

۱۹۶۳ء/ ۱۳۸۳ھ میں آپ نے شہر الٰہ آباد کے مرزا غالب روڈ چوراہے پر اپنی رہائش کے لئے زمین خریدی۔ مگر مسلم قوم کی سرفرازی اور ملت اسلامیہ کے نوجوانوں کا مستقبل تابناک بنانے کے لئے اس زمین پر دارالعلوم غریب نواز کی بنیاد ۱۹۶۵ء/ ۱۳۸۵ھ میں ڈالدی۔ علمائے کرام کے مقدس ہاتھوں سے سنگِ بنیاد رکھوایا۔ خلوص ہر زمانہ میں بارآور ہوتا ہے۔ اسی لئے پاسبانِ ملت کے خلوص کا ثمرہ جلد نظر آنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے چار منزلہ عمارت کا پرشکوہ منظر فخر کے ساتھ دیکھا جارہا ہے۔

دارالعلوم غریب نواز کا نام ہی حضرت نظامی کی بزرگوں سے عقیدت کا بھرپور اظہار ہے۔ جن کی دعاؤں نے جلد ہی فائز المرام کر دیا۔ دارالعلوم غریب نواز کے کمروں کی دیواروں کو ایک نظر دیکھ لیا جائے تو بزرگوں کے فیضان کا سبب معلوم ہو جائیگا۔

کمروں کی تفصیلات ملاحظہ فرمائیے۔

ان بزرگوں کے اسمائے گرامی جو سنگ مرمر کی تختیوں پر کندہ ہیں اور دیواروں میں نصب ہیں :۔

ا: برائے ایصال ثواب خلیفۂ اول حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ۔ منجانب: مسلمانان اہلسنّت ناسک۔

۲: برائے ایصال ثواب۔ خلیفۂ دوم حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔

منجانب: ــــــــ مسلمانان فتح پور شیخا وٹی۔

۳: برائے ایصال ثواب۔ خلیفۂ سوم حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔

منجانب ــــــــ جناب احسان اللہ صاحب عرف پہلوان سیٹھ بمبئی۔

۴: برائے ایصال ثواب، امام عالی مقام سرکار امام حسین رضی اللہ عنہ

منجانب: ــــــــ جناب مقصود صاحب نظامی کرلا بمبئی۔

۵: برائے ایصال ثواب، نواسۂ رسول سیدی سرکار حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ۔

منجانب: ــــــــ سنی رضوی کمیٹی۔ داونگرہ۔ کرناٹک۔

۶: برائے ایصال ثواب۔ پیران پیر حضور سیدی سرکار غوث الاعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔

منجانب:۔ حاجی اسماعیل صاحب حاجی ہاشم صاحب شری رام پور۔

۷: برائے ایصال ثواب: مرکز ولایت، پیران پیر دستگیر سیدنا سرکار غوث الاعظم رضی اللہ عنہ۔

منجانب: ــــــــ جناب لعل محمد خاں صاحب بتوی۔

۸: برائے ایصال ثواب: سید خواجہ عثمان ہارونی رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔

منجانب ــــــــ الحاج غلام نبی حسن صاحب نواب گنج۔

۹: برائے ایصال ثواب: حضور سرکار غریب نواز رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔

منجانب : الحاج غلام شیخ محمد اسماعیل صاحب رضوی صاحب جزدگان

۱۰: برائے ایصال ثواب : سرکار غریب نواز رضی اللہ عنہ
منجانب الحاج سعید صاحب رضوی ۔ بانسی راجستھان ۔

۱۱: برائے ایصال ثواب : سرکار غریب نواز رضی اللہ عنہ
منجانب : الحاج احمد رسول خاں صاحب، الحاج عبد الحمید خاں صاحب، الحاج احمد علی خاں صاحب، الحاج جھیدی بھارت گنج۔

۱۲: برائے ایصال ثواب : سلطان الہند خواجۂ خواجگاں خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ ۔
منجانب : الحاج عبد الحمید صاحب نندورہ بمبئی ۔

۱۳: برائے ایصال ثواب : امام الائمہ حضرت سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ ۔
منجانب : جناب محمد علی بن حاجی تونگر علی کنڈرہ پرتاپگڈھ ۔

۱۴: برائے ایصال ثواب : قطب الاقطاب سیدی خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضی اللہ عنہ ۔

۱۵: برائے ایصال ثواب : سلطان التارکین سیدی صوفی حمید الدین ناگوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔
منجانب : محمد یسین صاحب رضوی نظامی کچامن ستی راجستھان

۱۶: برائے ایصال ثواب : سلطان المشائخ سرکار نظام الدین محبوب الٰہی رضی اللہ تعالےٰ عنہ ۔
منجانب : جناب بابو معین الدین صاحب ۔ رام گانگ پور اڑیسہ

۱۷: برائے ایصال ثواب : آفتاب ولایت سیدی خواجہ حسام الدین چشتی جگر سوختہ رضی اللہ عنہ ۔

منجانب: مسلمانانِ اہلسنت کچامن سٹی راجستھان۔

۱۸:۔ برائے ایصال ثواب: غازیٔ اسلام سیدی سرکار سپہ سالار مسعود غازی رضی اللہ تعالٰے عنہ۔

منجانب:۔ الحاج شیخ مختار احمد صاحب پرتاپگڈھ۔

۱۹:۔ برائے ایصال ثواب:۔ نائب غوث الوریٰ سیدی سرکار حضرت سید بابا منور علی شاہ رضی اللہ تعالٰے عنہ۔

منجانب:۔ محمد سمیع اللہ صاحب شہباز۔ پرتاپگڈھ۔

۲۰:۔ برائے ایصال ثواب: قطب دکن، آفتاب چشت، سیدی بندہ نواز، گیسو دراز رضی اللہ تعالٰے عنہ۔

منجانب: جناب عبدالوہاب صاحب رضوی رئیس اعظم رانی بینور کرناٹک۔

۲۱:۔ برائے ایصال ثواب: مجدد دین وملّت سیدنا امام احمد رضا رضی اللہ تعالٰے عنہ۔

منجانب: الحاج شیخ سلطان اختر صاحب قادری رضوی و جملہ برادران۔

۲۲:۔ برائے ایصال ثواب: شیخ طریقت حضرت سید پیر جماعت علی شاہ۔ رضی اللہ تعالٰے عنہ۔

منجانب: اراکین دارالعلوم شاہ جماعت باسنی۔

۲۳:۔ برائے ایصال ثواب: سرکار مفتیٔ اعظم ہند رضی اللہ تعالٰی عنہ

منجانب:۔ الحاج محمد داؤد رضوی۔

۲۴:۔ برائے ایصال ثواب:۔ حضور سیدی سرکار مفتیٔ اعظم ہند رضی اللہ تعالٰے عنہ۔

منجانب مسلمانان اہلسنت رضوی برکاتی پوربندر گجرات۔
۲۵:۔ برائے ایصال ثواب: حضور سرکار مفتیٔ اعظمِ ھند رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔
منجانب: مسلمانان اہلسنّت ناسک۔
۲۶:۔ برائے ایصال ثواب: تاجدارِ اہلسنّت سرکار مفتیٔ اعظم ہند رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔
منجانب: مسلمانانِ اہلسنّت (ابن رضا چوک) گجرات۔
۲۷:۔ برائے ایصال ثواب: شیر بیشۂ اہلسنّت مناظرِ اعظم، حضرت مولانا حشمت علی خانصاحب علیہ الرحمہ۔
منجانب:۔ الحاج احمد عمر صاحب ڈوسا بمبئی۔
۲۸:۔ برائے ایصال ثواب: سیدی سرکار بابا شاہ علاء الدین قادری بنکا پوری
منجانب: الحاج بڈن صاحب قادری رضوی منڈگوڈ۔
۲۹:۔ برائے ایصال ثواب: مستان شاہ بابا رحمۃ اللہ علیہ۔
منجانب:۔ جناب علاء الدین صاحب بھارت گنج۔
۳۰:۔ برائے ایصال ثواب: سیدی میران شاہ بابا رحمۃ اللہ علیہ۔ دیج گڑھ۔
منجانب: جناب عبدالرشید صاحب۔ رابرٹس گنج۔ مرزاپور۔
۳۱:۔ برائے ایصال ثواب: شیخ طریقت حضرت صوفی طاھر بابا علیہ الرحمۃ والرضوان۔
منجانب:۔ حاجی حبیب اللہ، حاجی محمد قاسم، حاجی امتیاز احمد حاجی محمد ہاشم، حاجی عبدالوہاب، طاہر نظامی صاحبان

۳۲: رضا لائبریری

منجانب :- الحاج محمد سعید صاحب رضوی باسنی راجستھان ۔

نوٹ :- رضا لائبریری کے لئے دارالعلوم کی عمارت ہی میں ۴۳ فٹ لمبے ہال کو مختص کر دیا گیا ۔ ابھی لائبریری میں درسیات پر مشتمل ساری کتابیں موجود ہیں ۔ اور جنرل معلومات کی بھی کتابیں ہیں ۔ جس سے طلبہ اور علماء استفادہ کرتے رہتے ہیں ۔ اس لائبریری میں ایک لمبی میز ہے اور چالیس کرسیاں اس کے چاروں طرف رکھی ہوئی ہیں ۔ ہمہ وقت پڑھنے والوں کے لئے انتظام ہے ۔ اب سلیمان لائبریری کے نام سے مشہور ہے ۔ شاید رضا لائبریری کی عرفیت ہے ۔ اس کے علاوہ ملک میں دوسرے اہم ادارے جس کو پاسبانِ ملت نے قائم فرمایا ۔ اور اس کی ترقی میں ہمہ تن مصروف رہے وہ مندرجہ ذیل ہیں :-

(۲) دارالعلوم گلشن اجمیر بہریا ضلع الہ آباد ۔ یو ۔ پی

(۳) جامعہ عربیہ پھول پور ۔ ضلع الہ آباد یو ۔ پی ۔

(۴) مدرسہ غوثیہ ریوا ۔ ضلع ریوا ۔ ایم ۔ پی

(۵) مدرسہ مدینۃ العلم بھدوہی ضلع بنارس یو ۔ پی ۔

(۶) مدرسہ اسلامیہ رونہا ۔ ضلع بنارس یو ۔ پی

(۷) مدرسہ آفتاب رسالت ۔ لہتہ ضلع بنارس یو ۔ پی ۔

(۸) مدرسہ گلشنِ بغداد گھاٹ کوپر بمبئی ۔ مہاراشٹر

(۹) دارالعلوم معین الاسلام تھام ضلع بھڑوچ ۔ گجرات

(۱۰) مدرسہ اعلیٰ حضرت ۔ بڑودہ ۔ ضلع بڑودہ ۔ گجرات ۔

(۱۱) مدرسہ گلشن مدینہ کیرونج گجرات ۔

(۱۲) دارالعلوم شاہ عالم۔ احمد آباد گجرات
(۱۳) • مدرسہ غوث اعظم پوربندر گجرات
(۱۴) مدرسہ ناصر العلوم۔ میرج مہاراشٹر
(۱۵) دارالعلوم اہلسنت۔ ہبلی کرناٹک
(۱۶) دارالعلوم شاہ جنگی پیر بھاگلپور بہار
(۱۷) مدرسہ اسلامیہ مسجد کشن گنج ضلع پورنیہ بہار
(۱۸) جامع مسجد سلطان ٹیپو۔ سرنگا پٹنم کرناٹک
(۱۹) مدرسہ دستگیریہ۔ مونڈگوڑ ضلع کاروار کرناٹک
(۲۰) مدرسہ عربیہ اسلامیہ بھیونڈی ضلع تھانہ مہاراشٹر
(۲۱) دارالعلوم امام احمد رضا ہنس روڈ۔ بمبئی۔ مہاراشٹر
(۲۲) ادارہ شرعیہ مہاراشٹر موسیٰ قلعہ دار اسٹریٹ بمبئی۔ مہاراشٹر

مذکورہ بالا فہرست سے یہ اندازہ ہوجاتاہے کہ حضرت علامہ نظامی صاحب نے عامۃ المسلمین کی تعلیمی پستی اور جہالت کو دور کرنے کے لئے جو قابل قدر کارنامہ انجام دیاہے ان کے معاصرین میں دوسرا نظر نہیں آتا۔ ان تعلیمی اداروں سے ان کے رضائے الٰہی کی طلب، ایمان و احتساب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ ہوتاہے۔ ایک فرد انجمن بن کر ابھرا۔ اور پورے ہندوستان میں مدارس اسلامیہ کا جال بچھا دیا۔ گویا کہ جہاں چلے گئے، زمین کو آسمان بنادیا۔ جہالت کی تاریک سرزمین پر علم کے ماہ تاباں سے وہاں کی فضا کو بقعۂ نور بنا دیا۔

۱:۔ دارالعلوم گلشن اجمیر بہریا سرائے غنی الٰہ آباد۔

سرائے غنی حضرت علامہ مشتاق احمد صاحب نظامی کا وطن ہے۔
سرائے غنی سے قریب مسلمانوں کی ایک آبادی موضع بہریا ہے۔ آپ نے اپنے ماموں زاد بھائی جناب حاجی متین خاں صاحب سے رابطہ پیدا کیا۔ وہ ان دنوں اس حلقے کے پردھان تھے۔ ان سے علامہ موصوف نے کہا کہ آپ حضرات مکتب، اسکول، کالج اور تالاب کے لئے زمین دیتے ہیں، مجھے ایک مذہبی درسگاہ قائم کرنے کے لئے زمین دیجئے۔

حاجی متین صاحب نے زمین دی اور علامہ نے اس سرزمین پر دارالعلوم گلشن اجمیر اور ایک خوبصورت مسجد کی عمارت کھڑی کر دی۔ بحمداللہ تعالےٰ ادارہ بحسن و خوبی تعلیمی خدمات انجام دے رہا ہے۔

رابطہ کا پتہ:۔ جناب اظہار احمد خاں صاحب پردھان۔ موضع سرائے غنی۔ وایا سکندرہ۔ ضلع الٰہ آباد۔ یو۔پی۔

۲: مدرسہ تعلیم الاسلام قصبہ پھولپور۔ الٰہ آباد۔

ضلع الٰہ آباد کی تحصیل پھولپور میں یہ درسگاہ واقع ہے۔ خالص سنی درسگاہ ہے۔ مسلک اعلیٰ حضرت کی آئینہ دار ہے۔ جناب وکیل انیس صاحب کی کوششوں سے ادارہ دن دونی رات چوگنی ترقی حاصل کر رہا ہے۔

رابطہ کا پتہ:۔ وکیل انیس احمد منیجر مدرسہ تعلیم الاسلام پرانا پھولپور ضلع الٰہ آباد۔ یو۔پی۔

۳:۔ مدرسہ غوثیہ مسلم یتیم خانہ۔ ریوا۔ ایم۔پی

یہ مدرسہ مدھیہ پردیش کی بہت اچھی درسگاہ ہے۔ مدرسہ والے بابا

اس مدرسہ کے روح رواں ہیں۔ مولانا عبدالرزاق پورنوی نظامی کی نظامت میں ادارہ بام عروج پر جا رہا ہے۔
رابطہ کا پتہ:۔ مولانا عبدالرزاق صاحب۔ مدرسہ غوثیہ یتیم خانہ متصل چھوٹی درسگاہ۔ ریوا۔ ایم۔ پی۔

۴: مدرسہ مدینۃ العلم بھدوہی

۱۹۴۵ء میں مدرسہ عربیہ مدینۃ العلم کی بنیاد حضرت پاسبان ملت علیہ نے ڈالی۔ بحمدہٖ تعالےٰ یہ ادارہ بھی دن بدن ترقی پر ہے۔ مولانا رمضان وقاری گونڈوی، مولانا عبدالمنان برکاتی، مولانا مرشد علی قادری، حافظ مبین احمد مرزاپوری یہاں کے نامور اساتذہ ہیں۔
رابطہ کا پتہ:۔ جناب توقیر احمد انصاری منیجر مدرسہ مدینۃ العلم۔ قصبہ بھدوہی ضلع بنارس۔

۵: مدرسہ اسلامیہ روٹھہا ضلع بنارس

۱۹۴۶ء میں روٹھہا میں مدرسہ اسلامیہ کی بنیاد حضرت علامہ نے ڈالی۔ یہ علاقہ قالین کے کاروبار کا ہے۔ عوام دینی امنگوں سے سرشار ہے۔ اس لئے یہ مدرسہ روز بروز مائل بترقی ہے۔

۶: مدرسہ آفتاب رسالت لوہتہ بنارس

حضرت پاسبان ملت نے علاقہ کی مقامی ضرورتوں کے پیش نظر مدرسہ آفتاب رسالت کی بنیاد ڈالی۔ اور الحمدللہ آج بھی یہ ادارہ اپنی کارکردگی میں اراکین و مخلصین کے خلوص کا مظاہرہ کر رہا ہے۔

۷:۔ مدرسہ گلشن بغداد گھاٹ کوپر ممبئی

گھاٹ کوپر کے مسلمانوں نے مذہبی اور تعلیمی پسماندگی کا باربار اظہار کیا۔ جماعت کے نمائندوں کے پیہم تقاضے پر آپ نے مدرسہ گلشن بغداد کا قیام کیا اور کرلا د گھاٹ کوپر ممبئی کے مخیر حضرات سے چندہ فراہم کرکے مدرسہ کے مالی فنڈ کو مضبوط کردیا۔

۸:۔ دارالعلوم معین الاسلام نخفام بھروچ گجرات

پاسبان ملت برسوں گجرات کے دورے پر جاتے رہے اور قیام حاجی ولی محمد صاحب کے یہاں فرماتے۔ اس دوران کئی مناظرے کی نوبت آئی۔ اس دورہ سے یہ ذہن ملا کہ اگر اس علاقہ میں دارالعلوم قائم ہوجائے تو دین کا قلعہ تعمیر ہوجائے گا۔ اسی مقصد کے پیش نظر دارالعلوم معین الاسلام کا سنگ بنیاد رکھا۔ اور تھوڑی ہی مدت میں اس ادارہ نے کافی ترقی کی۔ اسے گجرات کی عظیم درسگاہ کہا جاتا ہے۔ دارالعلوم کی دومنزلہ عمارت، بہت وسیع حوض، عالی شان مسجد، قابل دید گنبد یہ سب دیکھنے کے قابل ہے تعلیم اور نظم ونسق کے اعتبار سے یہ خود اپنی مثال آپ ہے۔

رابطہ کا پتہ :۔ حاجی ولی محمد صاحب گورڈی دارالعلوم معین الاسلام نخفام ضلع بھروچ گجرات۔

۹:۔ مدرسہ اعلیٰ حضرت بڑودہ

بڑودہ جیسے شہر میں مسلک رضویت کی نمائندہ وترجمان درسگاہ

رہے ۔ عالی جناب ماسٹر محمد یوسف صاحب نے اخلاص کے ساتھ علامہ نظامی صاحب کا ساتھ دیا۔ اور اسکی جد وجہد میں ہمہ تن مصروف رہے۔ محلہ بابا مان پورا متصل پانی ٹنکی۔ بڑودہ گجرات۔ اس کے رابطہ کا پتہ ہے۔

۱۰: مدرسہ گلشن مدینہ۔ کپڑونج۔ گجرات

حضرت علامہ نظامی صاحب، بلبل گجرات مولانا عطاء الرحمٰن صاحب کی دعوت پر غوث الوریٰ کانفرنس کپڑونج پہونچے۔ ایک بہت ہی عمدہ اور حسین عمارت میں قیام ہوا۔ آپ نے پوچھا یہ عمارت کیسی ہے۔ پتہ یہ چلا کہ شہر کی بہت سی انجمنیں اس پر آنکھ لگائے ہیں۔ کچھ دیر کے بعد آپ نے فرمایا کہ میری قیام گاہ یہاں سے الگ کر دیجئے۔ چنانچہ بغیر تاخیر انھوں نے آپکی قیام گاہ دوسرے مکان میں منتقل کر دیا۔ آپ نے چار صفحے پر ایک خاکہ بنایا۔ اور شام کو ٹرسٹیوں کو بلوایا۔ اور ان کو سمجھایا کہ آپ یہ عمارت ایک دینی درسگاہ کو دیدیجئے جس کا نام گلشن مدینہ ہوگا۔ ٹرسٹیوں نے آپ سے وقت چاہا کہ کچھ دیر کے بعد باہمی مشورہ کر کے آپ کو ہم جواب دیں گے۔ کچھ دیر کے بعد وہ لوگ مشورہ کر کے واپس آئے اور عرض کیا کہ ہم لوگ آپ کے حکم پر تیار ہیں۔ علامہ نظامی نے علماء کی ایک میٹنگ طلب کی۔ اسی میٹنگ میں باتفاق رائے مدرسہ کا نام گلشن مدینہ تجویز ہوا۔ اور مولانا عطاء المصطفیٰ صاحب ناظم مقرر ہوئے۔

الحمد للہ! یہ ادارہ دن دونی رات چوگنی ترقی پر ہے۔ اس مدرسہ کو علامہ نظامی کی سرپرستی حاصل ہے۔

رابطہ کا پتہ :- مولانا قاری عطاء الرحمٰن صاحب مدرسہ گلشنِ مدینہ۔ کیڑ وبخ۔ ضلع کھیڑا۔ گجرات۔

۱۱۔ دارالعلوم شاہ عالم۔ احمد آباد۔ گجرات

مجاہد دوراں، مولانا سید مظفر حسین صاحب کچھوچھوی نے احمد آباد میں ایک تعلیمی کانفرنس طلب کی، حضرت پاسبان ملت نے اس کانفرنس میں بھرپور حصہ لیا۔ وہیں سے حاجی سلمان صاحب کو دینی درسگاہ ذہن ملا۔ اس کے بعد حضرت کی سرگرمیوں کے معترف ہوکر حاجی صاحب نے ایک میٹنگ بلایا اور آپ کو مدرسہ کا تاحین حیات ممبر بنایا۔ اور دارالعلوم شاہ عالم نام تجویز ہوا۔

۱۲: دارالعلوم غوث اعظم پوربندر گجرات

پوربندر ہندوستان کا آخری شہر ہے جس کے بعد پانی ہی پانی ہے۔ وہاں کے اصحاب شعور نے علامہ نظامی کی سرپرستی میں دارالعلوم غوث اعظم قائم کیا۔ مولانا عبدالستار ہمدانی اور حاجی عبدالغنی صاحب اس کے اہم ارکان ہیں۔

۱۳:۔ مدرسہ ناصر العلوم میرج ضلع سانگلی۔

بمبئی سے کرناٹک جاتے ہوئے میرج ایک بہت بڑا ریلوے اسٹیشن ہے اور مسلمانوں کی اچھی آبادی بھی ہے۔ جب حضرت علامہ نظامی پہلی بار وہاں تشریف لے گئے تو انھیں یہ احساس ہوا کہ بدعقیدگی دھیرے دھیرے اپنا گھر بنا رہی ہے اور یہاں کوئی اپنی

درسگاہ نہیں ہے ۔آپ نے لوگوں کو سمجھایا۔ زندہ دل مسلمانوں کے دلوں میں ان کی بات اثر کر گئی جس کا ثمرہ مدرسہ ناصر العلوم کی حسین و پرشکوہ عمارت کی شکل میں دین کا قلعہ نظر آرہا ہے ۔

۱۴: دارالعلوم شاہ جنگی پیر بھاگلپور بہار

حضرت مولانا جہانگیر خانصاحب کی دعوت پر حضرت پاسبان ملّت بھاگلپور تشریف لے گئے ۔کئی روز کے مسلسل پروگرام میں آپ نے یہ جائزہ لیا کہ ضلع میں درسگاہیں تو ہیں مگر شہر خالی ہے حضرت پاسبان ملت نے شہر کے ذی ہوش اور علم دوست مسلمانوں کو سمجھایا۔نتیجہ میں عیدگاہ سے متصل ایک وسیع زمین مل گئی وہیں ایک بزرگ کا مزار ہے۔ انھیں کے نام پر دارالعلوم شاہ جنگی پیر نام رکھا گیا۔

اس کے لئے حضرت پاسبان ملت کو بہت محنت کرنی پڑی۔ چنانچہ جو دن زمین کی رجسٹری کے لئے مقرر تھا اس روز حضرت پاسبان ملت مسلسل کچہری میں چھ گھنٹہ بیٹھے رہے ۔اور مولانا جہانگیر خاں صاحب کے نام زمین رجسٹری کرائی ۔

۱۵: جامعہ سلطان ٹیپو سرنگاپٹن میسور

جب حضرت علامہ نظامی صاحب انجمن تنظیم اہلسنت کی دعوت پر میسور تشریف لے گئے تو تنظیم کے ارکان کے ہمراہ سلطان ٹیپو کے مزار پر فاتحہ پڑھنے کے لئے گئے ۔جس مسجد میں سلطان ٹیپو نماز ادا کرتے تھے اسی میں ان لوگوں نے عصر کی نماز ادا کی۔ اس مسجد کا نام

مسجد افضل ہے۔ مسجد کے ارد گرد بہت سے کمرے بنے ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ پرانے دور کے بنے ہیں اب بیکار ہیں۔ سرنگا پٹن سے میسور جاکر آپ نے لوگوں کو سمجھایا۔ کہ اسے حاصل کیجئے میں درسگاہ بناؤں گا۔ سلسل دو تین برس تنظیم کے پیچھے آپ لگے رہے۔ آخر میں جناب سیٹھ عبد العزیز صاحب کی معرفت وہ کمرے حاصل ہو گئے اور جامعہ ٹیپو کے نام سے اس میں مدرسہ قائم کیا جو بحمد اللہ تعالے بحسن و خوبی چل رہا ہے۔

۱۶: مدرسہ رضائے مصطفےٰ داونگیرہ کرناٹک۔

مولانا محمد حنیف صاحب کی کوششوں سے حضرت پاسبان ملت نے داونگیرہ میں علاقائی ضرورتوں کے پیش نظر مدرسہ رضائے مصطفےٰ کا قیام کیا جو بحمد اللہ ترقی پزیر ہے۔

رابطہ کا پتہ:۔ مولانا محمد حنیف صاحب مدرسہ رضائے مصطفےٰ محلہ ٹیپو نگر۔ داونگیرہ۔ کرناٹک۔

۱۷:۔ مدرسہ عربیہ دستگیریہ منڈگوڑ کرناٹک

الحاج بڈن صاحب کی دعوت پر حضرت پاسبان ملت منڈگوڑ تشریف لے گئے۔ وہاں کی دینی مذہبی پوزیشن کو دیکھنے کے بعد الحاج بڈن صاحب سے ایک مدرسہ کے قیام کا منصوبہ پیش کیا۔ انھوں نے بخوشی قبول کیا۔ آپ نے مدرسہ عربیہ دستگیریہ قائم کیا۔ اور مولانا صمید الحق صاحب کو وہاں کے لئے مقرر فرمایا۔

رابطہ کا پتہ:۔ الحاج بڈن صاحب۔ صدر مدرسہ عربیہ

دستگیریہ، منڈگوڑ ضلع دھارواڑ۔

۱۸:۔ جامع مسجد کشن گنج و مدرسہ اسلامیہ کشن گنج ہبلی

جامع مسجد کشن گنج بدعقیدوں کے قبضہ میں تھی۔ اس سے پہلے وہ یہیں سے بدعقیدگی کا مشن چلاتے تھے۔ حضرت علامہ نظامی صاحب نے ارباب مسجد سے رابطہ قائم کر کے مسلسل کئی تقریریں کیں جس کے سبب مسجد سنیوں کے اقتدار میں آگئی۔ آپ نے اسی مسجد میں ایک مدرسہ کا قیام فرمایا تاکہ امامت کے لئے کوئی دشواری اور تبلیغ کے لئے دوسری جگہ سے مبلغ بلانے کی مجبوری نہ رہ جائے۔

۱۹: دارالعلوم اہلسنّت غوثیہ ہبلی

حضرت پاسبان ملت فرماتے تھے کہ دارالعلوم غریب نواز اور دارالعلوم اہلسنت غوثیہ ہبلی میری دو آنکھیں ہیں میں یہ فیصلہ نہیں کرپاتا کہ دارالعلوم غریب نواز کی عمارت بلند و بالا ہے یا دارالعلوم اہلسنت غوثیہ کی۔

کرناٹک کا جس زمانہ میں آپ زیادہ دورہ کر رہے تھے اس وقت انتھک کوششوں کے بعد آپ نے دارالعلوم غوثیہ ہبلی کو قائم کیا اور اب وہ بام عروج پر ہے۔

رابطہ کا پتہ:۔
دارالعلوم اہلسنت غوثیہ محلہ اسلام پورا۔ نظامی روڈ
ہبلی۔ دھارواڑ۔

۲۰:۔ دارالعلوم شاہ جماعت باسن کرناٹک۔

کرناٹک میں اپنی نوعیت کی ایک بہت عمدہ درسگاہ ہے۔ اس کو جناب حاجی محمد شفیع صاحب نے تنہا اپنے خرچے سے بنوایا ہے۔ حضرت پاسبان ملت کی سرپرستی میں ہی سارے کام انجام پاتے تھے۔

۲۱:۔ مدرسہ سُنیہ حنفیہ مالیگاؤں

۲۲:۔ دارالعلوم گلشن طیبہ رانی بنور کرناٹک۔

۲۳:۔ دارالعلوم امام احمد رضا بمبئی۔

۲۴:۔ ادارہ شرعیہ، مہاراشٹر۔

مُناظرہ

باطل طاقتوں کے مقابلے میں حق کا مزاج یہ ہے کہ جب تحفظ ناموس رسالت کا موقع آتا ہے تو یہ کفن بر دوش مجاہد بن کر میدان کارزار میں اتر جاتے ہیں۔ پہاڑ کی بلندی اور سمندر کی موجیں جو اٹھ اٹھ کر آسمان چھونے کی کوشش کرتی ہیں ان کی راہ میں کبھی حائل نہ ہوئیں۔

دشت تو دشت ہے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

فاروقی جلال اور اویسی محبت کے امین بن کر اور اپنے اسلاف کی طرح شجاعت کا پیکر بن کر باطل کے بڑے بڑے مجمع کو درہم برہم کر دیتے ہیں۔

حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی ایک ایسے مناظر ہیں جو باطل کے خرمن پر قہر و جلال کی بجلی بن کر گرتے ہیں اور چشم زدن میں دشمن رسول کے آشیانے خاکستر ہوتے نظر آتے ہیں۔ گویا ان کی ذات اسلام کا اعجاز ہے۔ حضرت نظامی صاحب میدان مناظرہ میں جب باطل کو للکارتے ہیں تو ان کے منہ سے جو بولی نکلتی تو ایسا محسوس ہوتا جیسے انگارے برس رہے ہیں۔ ان کے جملے خنجر سے زیادہ تیز ہوتے ہیں۔ ان کی اس شعلہ بیانی میں ایک داستان شجاعت پنہاں ہوتی ہے یعنی فاروقی جلال، صدیقی صداقت، سیف خالد کی چمک عیاں رہتی ہے۔

حضرت پاسبان ملت نے اس آغوش میں پرورش آئی ہے۔ جن کا اصول زندگی یہ رہا ہے "چھیڑو مت، اور چھڑ جائے تو چھوڑو مت"

اسی لئے حضرت علامہ اکثر موقع پر دیوبندیوں کے اکابر کو مناظرہ کے درمیان کہا کرتے کہ تم لوگ مناظرہ کی خوراک ہو اور مناظرہ میری خوراک ہے۔

حضرت پاسبان ملت کا اس سلسلہ میں ایسا نکھرا ہوا کردار رہے کہ جس کا جواب نہیں ہے۔ ناموسِ رسول کے تحفظ کی خاطر کبھی انھوں نے اپنے وقار اور رسمی بندشوں کو آڑے نہیں آنے دیا۔ بلکہ رسول پاک کی عظمت کی خاطر فدا ہونے کا والہانہ جذبہ بلالی کیفیت اور اویسی محبت کا مظاہرہ کرتے رہے۔

بھیونڈی کے مناظرہ کے سلسلے میں آپ رقم طراز ہیں:۔

"بھیونڈی کی روانگی سے قبل میرے بعض احباب نے مجھے روکا کہ جب مناظرہ کمیٹی نے آپ کو مدعو نہیں کیا ہے تو آپ کیوں جا رہے ہیں۔ وہاں ان مخلصین کو یہ کہہ کر مطمئن کر دیا کہ یہ جلسہ نہیں ہے۔ مناظرہ ہے۔ دیوبندی جب ناموس رسول علیہ التحیۃ والثناء پر حملے کر رہے ہوں تو اس وقت دعوت کا انتظار نہیں کیا جاتا۔ سینوں کی رگوں میں جو خون ہے اس کی بوند بوند میں وفاداری مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ ہونا چاہیئے۔ اور ہمارے پاس اس کے علاوہ ہے ہی کیا۔ یہی ہماری متاع زندگی، اور توشۂ آخرت ہے۔ ان کے کرم پر امید ہے کہ اسی کے سہارے وہ اپنے دامنِ رحمت میں چھپا لیں گے۔

(قہر آسمانی ص ۴۹)

حضرت پاسبان ملت کا یہ مزاج نہیں تھا کہ وہ اپنی طرف سے فیلڈ میں بدامنی یا کوئی ہیجانی کیفیت پیدا کریں۔ بلکہ وہ اکثر دفاعی تقریریں کرتے تھے۔ ہاں اگر کسی نے آنکھ دکھائی تو آنکھیں نکال لی گئیں، انگلی اٹھائی تو انگلی تراش لی گئی۔ اور اگر موشگافی کی تو دنداں شکن جواب دیا۔

بھیونڈی کے مناظرہ کے سلسلہ میں وہ وہاں کی فضا کی مسمومیت پر لکھتے ہیں کہ :۔

" چند سیاسی لیڈروں نے مناظرہ کو اپنی فیلڈ بنانے کا بہترین ذریعہ سمجھا اور اسے آلۂ کار سمجھ کر فیلڈ میں اتر پڑے۔ حالانکہ یہ ان کی سیاسی بھول تھی۔ تجربہ کار، عاقبت اندیش، سیاسی رہنما ایسی غلطی کبھی نہیں کرتے۔ میں کسی کو بھی مورد الزام قرار دیئے بغیر پہلے اس کی ذمہ داری کو چیلنج کرتا ہوں۔ اگر اختلافات کی آگ بھڑک اٹھی تھی تو اس پر پٹرول چھڑکنے کے بجائے پانی کی چھینٹ ڈالنا تھا۔ اور فریق بننے کے بجائے انھیں درمیان کی کوئی معتدل راہ اختیار کرنا چاہیئے تھا لیکن حالات تدریجاً بگڑتے گئے، جس کے نتیجہ میں طرفین کی مناظرہ کمیٹی وجود میں آ گئی۔" (قہر آسمانی ص۴۶)

حضرت علامہ نظامی صاحب کی زندگی اکثر مناظروں سے دوچار رہتی تھی۔ چند مناظروں کے مقامات کا تذکرہ مندرجہ ذیل ہے :۔

۱:۔ مرزا پور ۲:۔ سلطان پور

۳:۔ کانتھی مدنا پور۔ بنگال۔ تقریری

۴:۔ ہر شدے پور۔ رائے بریلی تقریری

۵:۔ نیلی محلہ بمبئی تحریری

۶:۔ بوا کھالی پورنیہ

۷:۔ کٹک سونگھڑا

۸:۔ اسلام پور بیر بھوم

۹:۔ اسلام پور ؍؍

۱۰:۔ رومی ؍؍

۱۱:۔ کان پور یو۔پی
۱۲:۔ بجرڈیہہ بنارس ؍؍
۱۳:۔ چالیس گاؤں مہاراشٹر۔
۱۴:۔ بھیونڈی تھانہ مہاراشٹر
۱۵:۔ بھبھنگاواں گونڈہ یو۔پی

بھیونڈی کامناظرہ ۷ رنومبر ۱۹۷۳ء کو ۸ بجے صبح غنی رحیم دیوبندی کی بلڈنگ پر ہونا طے ہوا تھا۔

بدعقیدوں کے قافلے کے سربراہان

۱:۔ مولوی ارشاد احمد مبلغ دارالعلوم دیوبند
۲:۔ مولوی نور محمد ٹانڈوی مبلغ کنزالعلوم ٹانڈہ۔
۳:۔ پالن حقانی
۴:۔ مفتی دارالعلوم دیوبند
۵:۔ شبیر احمد راہی۔
۶:۔ غلام محمد مومن۔

عشاقِ رسول کی جماعت کے سربراہان

۱:۔ امام التارکین حضور مجاہد ملت علیہ الرحمۃ والرضوان۔
۲:۔ سلطان المناظرین امین شریعت حضرت مفتی رفاقت حسین صاحب علیہ الرحمۃ۔
۳:۔ پاسبان ملت حضرت علامہ مشتاق احمد صاحب نظامی علیہ الرحمہ
۴:۔ حضرت علامہ عاشق الرحمٰن صاحب شیخ الحدیث جامعہ حبیبیہ الہ آباد۔

۵:۔ غازیٔ ملت حضرت مولانا ہاشمی میاں صاحب کچھوچھوی
۶:۔ حضرت مولانا محمد نسیم صاحب۔
۷:۔ حضرت مولانا منصور علی خاں صاحب بلبیؒ۔
۸:۔ حضرت مولانا قدرت اللہ صاحب دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف ضلع بستی۔ یو۔ پی۔

مناظرہ گاہ میں جب، دیوبندی مولویوں نے اہلسنت کے اکابر کی نورانی صورت دیکھی تو ان کے دلوں کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ جب مناظرہ شروع ہوا تو اہلسنت وجماعت کی طرف سے قاری صاحب نے قرآن مجید کی تلاوت ختم کی تو دیوبندی فرقے کے قاری نے تلاوت شروع کی جب تھک گیا تو دوسرے کو ارشاد نے اشارہ کر دیا۔ دوسرے نے جب تلاوت ختم کی تو تیسرے نے شروع کر دی۔ یعنی دیوبندی فرقے کے علماء اپنی خفت تلاوت قرآن کے پردے میں چھپانا چاہتے تھے۔ مگر اہلسنت کے کچھار کے ایک شیر نے (پاسبان ملت) دہاڑا۔

"یہ شبینہ کی محفل یا تراویح کی نماز نہیں ہے۔ آپ نے ہمیں گفتگو کے لئے بلایا ہے۔"

اس پر مولوی ارشاد نے کہا آپ ہمیں قرآن پڑھنے سے روکتے ہیں۔ پھر علامہ نظامی نے للکارتے ہوئے کہا کہ اسے روکنا کہتے ہیں یا ڈھنگ بتانا۔؟ اور سلیقہ سکھانا کہا جاتا ہے۔ میدان مناظرہ میں ہم آپ سے سوال کریں گے اور آپ جواب دینے کے بجائے سورہ رحمٰن کی تلاوت شروع کریں گے۔ تو یقیناً میں کہوں گا کہ یہ قرآن پڑھنے کا موقع نہیں ہے گفتگو کی ذمہ داری قبول کی ہے۔ مگر پھر انھوں نے قرآن کی تلاوت شروع کرواکر اپنی شکست کا عملی اعتراف کرلیا۔

بہرحال ۸ نومبر ۱۹۷۳ء کو ۱۲ بجے دن میں علماء ربانی کے قافلے نے دیوبندیت کے تابوت میں آخری کھیل ٹھونک دی۔

جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقاً

مناظرہ بھنگواں بسکروِلی ضلع گونڈہ۔یو۔پی

تاریخ مناظرہ:۔ ۲۵ جون ۱۹۷۱ء تا ۳۰ جون ۱۹۷۱ء

مناظرہ کے سلسلہ میں پاسبان ملت کا اصول یہ ہے کہ چھیڑو مت چھڑ جائے تو چھوڑو مت۔ اسی اصول پر پاسبانِ ملت چیلنج مناظرہ بلا وجہ نہیں کرتے۔ لیکن جب کوئی چیلنج کرتا ہے تو وہ خندہ پیشانی سے اسے قبول کرتے ہیں۔ اس مناظرہ میں بھی کچھ ایسا ہی ہوا ہے۔

حضرت مولانا بدرالدین صاحب بھنگواں کے قریب ایک دیہات میں تقریر کے لئے تشریف لے گئے۔ دیوبندی مولوی نے اپنی حماقت سے مناظرہ کا چیلنج کر دیا۔ انھوں نے اسے منظور کرلیا۔ چونکہ بھنگواں میں دیوبندیوں کی اکثریت ہے اسلئے انھوں نے مناظرہ گاہ اسی گاؤں کو منتخب کر دیا۔ گویا کہ ؎

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

اہل سنت وجماعت کے اسٹیج پر نورانی چہرے والے جو فاروقی جلال اور علوی علم کے مظہر بنے ہوئے تھے جنھیں دیکھ کر سنیت کی حقانیت کا یقین ہو جاتا تھا اور جن کا کردار سنیت کی حقانیت کی دلیل تھی۔ مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱:۔ مناظر اعظم، سلطان التارکین مجاہد ملت حضرت مولانا محمد حبیب الرحمٰن صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان۔

۲:- سلطان المناظرین، امین شریعت حضرت مولانا رفاقت حسین صاحب قبلہ مفتیٔ اعظم کانپور۔ علیہ الرحمۃ۔

۳:- پاسبان ملت حضرت علامہ شاہ مشتاق احمد صاحب نظامی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ۔

۴:- شہزادۂ شیر بیشۂ اہلسنت حضرت مولانا مشاہد رضاخاں صاحب۔

۵:- مناظر اہلسنت حضرت مولانا مفتی محمد شریف الحق صاحب۔

۶:- انیس العلماء مولانا الحاج محمد عتیق الرحمٰن صاحب علیہ الرحمہ۔

۷:- رئیس المدرسین حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ سابق شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور۔

۸:- سندالمدرسین حضرت مولانا بدرالدین صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان

۹:- حضرت مولانا عبداللہ خاں صاحب استاذ الجامعۃ الاشرفیہ (سابق)

۱۰:- حضرت مولانا محمد اسلم صاحب۔

۱۱:- حضرت مولانا محمد طیب صاحب۔ ۱۲:- حضرت مولانا مفتی جلال الدین صاحب امجدی۔

۱۳:- حضرت مولانا محمد نسیم صاحب بستوی۔ (۱۴) حضرت مولانا قدرت اللہ صاحب۔ (۱۵) مولانا قاری علی حسن صاحب (۱۶) مولانا محمد یونس صاحب

اسٹیج پر موجود علمائے کرام کی کل تعداد ۱۱۰ تھی۔

دیوبندیوں کا خیال یہ تھا کہ ہمارے قریب کے پانچ گاؤں میں سنی حضرات تو ایسے ہی ہیں جیسے دال میں نمک۔ اسلئے یہ حضرات آئیں گے ہی نہیں۔ مگر حق کا مزاج اب سمجھ میں آیا۔ کہ

دشت تو دشت ہے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے

بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے
باطل تعداد پر گھمنڈ کرتا ہے اور حق للکارتا ہے ۔ ۵
باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا
دیوبندی فرقہ کے اسٹیج پر چند فتنہ پرور لوگوں کے اسمار کی نشاندہی کی جارہی ہے ۔
۱:۔ دارالعلوم دیوبند کے نائب مفتی (۲) مولوی ارشاد احمد مبلغ دارالعلوم دیوبند، (۳) مولوی نور محمد ٹانڈوی (۴) مولوی کلیم اللہ بہرائچی ۔ اور کچھ غیر مقلد علماء بھی ۔
باطل ہمیشہ میدان سے بھاگتا ہے کہ کہیں ہمارا پول نہ کھل جائے۔
اس مناظرہ کا بھی وہی حشر ہوا ۔ مناظرہ تحریری تھا ۔ جب دیوبندیوں کی طرف سے تحریر آئی تو علمائے بریلی نے اسے مائک سے پڑھ کر سنا دیا ۔ دیوبندی علماء نے ہنگامہ مچایا کہ تحریر عوام کو نہیں سنائی جائیگی ۔ اور اگر تحریر پڑھ کر سنائی جائے گی تو ہم مناظرہ کرنے کو تیار نہیں ہیں ۔ گویا کہ گپ چپ مناظرہ ہو جائے ۔
علمائے اہلسنت اور سارے عوام کا مطالبہ یہ تھا کہ تحریر سنائی جائے ۔ مگر مناظرہ سے فرار کی راہ اختیار کرنے کا کوئی نہ کوئی بہانہ چاہیئے ۔
پولیس انتظامیہ نے اس معاملہ میں مداخلت کیا کہ فریقین کے نمائندے فریقین کے سامنے اپنے اپنے مسائل کا حل تلاش کریں ۔ درمیان مناظرہ گاہ دو گز زمین پولیس نے حفاظت کے خیال سے خالی رکھا تھا جسمیں ان کی گشت ہو رہی تھی ۔ اسی مقام پر سنیوں کی جانب سے

نمائندہ کی حیثیت سے پاسبان ملت تشریف لے گئے۔ اور دیوبندیوں کا ایک نمائندہ آیا۔

داروغہ نے حضرت پاسبان ملت سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ کا مطالبہ کیا ہے؟

پاسبان ملت ! میرا مطالبہ یہ ہے کہ فریقین کی جو تحریریں ایک دوسرے کو موصول ہوں۔ انھیں یہ حق دیا جائے کہ اسے وہ لاوڈ اسپیکر پر پڑھ کر سنا دیں۔ تاکہ عوام مناظرہ کی کارروائی سے باخبر ہوتے رہیں۔ نہ ان کے عوام غافل ہوں اور نہ ہمارے۔

داروغہ ! (دیوبندی نمائندہ سے مخاطب ہو کر) آپ کو اب کیا کہنا ہے۔

دیوبندی نمائندہ ! جی ہاں میرا کہنا یہ ہے کہ مناظرہ کے لئے فریقین کے دستخط سے باضابطہ پوسٹر شائع ہوا ہے اور اس میں کہیں بھی یہ نہیں لکھا ہے کہ تحریریں سنائی جائیں۔ لہٰذا ہماری درخواست ہے کہ ہم دونوں اس پوسٹر کی پوری پوری پابندی کریں۔

داروغہ !(نظامی صاحب کی طرف مخاطب ہو کر) آپ کو کیا کہنا ہے۔

پاسبان ملت ! بات بظاہر معقول ہے مگر یہ تصویر کا ایک ہی رخ ہے میرا مطالبہ یہ ہے کہ اگر محض اس بنیاد پر تحریر نہ سنائی جائے چونکہ پوسٹر میں تحریر سنائے جانے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے تو ہم یہ گذارش کریں گے کہ پوسٹر میں ہمیں یہ دکھایا جائے کہ تحریر نہ سنائی جائے گی یہ کہاں ہے؟ جب پوسٹر ہی کی حرف بحرف پابندی کرنا ہے تو اس کی پوری پابندی ہونی چاہئے۔ اور تحریر سنائی جائے یا تحریر نہ سنائی جائے ان دونوں پوائنٹ پر پوسٹر خاموش ہے اس لئے پوسٹر کی پابندی کو حیلہ بنانا درست نہیں ہے۔

داروغہ :- کیا آپ ایک پوسٹر دکھا سکتے ہیں کہ تحریر نہ سنائی جائے۔

دیوبندی نمائندہ :- جی نہیں

داروغہ :- پھر آپ ایسا مطالبہ کیوں کرتے ہیں۔

دیوبندی مولوی :- ہم اسلئے مطالبہ کر رہے ہیں کہ مجھے بہت زیادہ اندیشہ ہے کہ تحریر سنانے کے بعد کہیں پبلک میں اشتعال پیدا نہ ہو جس سے فساد ہو جائے۔

داروغہ :- (نظامی صاحب کی طرف مخاطب ہو کر) بات تو بالکل صحیح اور معقول ہے۔

پاسبانِ ملت :- حیرت ہے کہ آپ ایسی غیر معقول بات کو معقول کہہ رہے ہیں۔

داروغہ :- (ہکا بکا ہو کر) اس میں کون سی غیر معقولیت ہے۔

پاسبانِ ملت :- اس میں معقولیت نہیں بلکہ آپ پر حملہ ہے۔

داروغہ :- مجھ پر کیا حملہ ہے۔

پاسبانِ ملت :- ان کا یہ کہنا کہ تحریر سنانے کے بعد فساد کا اندیشہ ہے تو گویا بہ الفاظ دیگر ان کا یہ کہنا کہ آپ سب لوگ بالکل ناکارہ ہیں یعنی آپ۔ نہ تو فساد روک سکتے ہیں اور نہ ہی امن برقرار رکھ سکتے ہیں اسلئے جناب کا یہ حملہ آپ کے انتظامیہ پر شدید حملہ ہے۔ اسلئے آپ انھیں سمجھائیے اور مطمئن کیجیے کہ فساد کا روکنا اور امن برقرار رکھنا میری ذمہ داری ہے اور اگر آپ کو اس میں کوئی ہچکچاہٹ ہو تو اپنے عوام کی ذمہ داری ہم لیتے ہیں اگر ہماری طرف سے شور و غل ہو تو ہمارا ہاتھ اور آپ کی ہتھکڑی۔ اور اگر ان کے مجمع میں ہڑ لونگ ہو تو ان کے ہاتھ میں آپ کی ہتھکڑی۔

دیوبندی مولوی :- ہر گز نہیں ہم اپنے عوام کی طرف سے اس قسم کی کوئی ذمہ داری

قبول نہیں کر سکتے۔

داروغہ :۔ آپ کو اپنے عوام پر بھروسہ نہیں ہے؟ یا آپ کے عوام کو آپ پر اعتماد نہیں ہے۔

پاسبانِ ملّت :۔ کسی کو کسی پر بھروسہ نہیں ہے نہ تو انھیں اپنے عوام پر، اور نہ ہی عوام کو ان پر۔

دیوبندی مولوی:۔ داروغہ صاحب آپ انھیں روک دیجئے۔ میرا مذاق کر رہے ہیں۔

داروغہ :۔ (بے ساختہ مسکرا کر) اچھا اب آپ ہی لوگ کوئی حل تلاش کیجئے۔

پاسبانِ ملت :۔ میری تجویز یہ ہے کہ جب پوسٹر میں تحریر سنائے جانے یا نہ سنائے جانے کا تذکرہ نہیں ہے تو ایسا ہو کہ ایک دن کا مناظرہ گپ چپ خاموش ہو۔ یعنی تحریر نہ سنائی جائے۔ اور دوسرے دن کا مناظرہ بولتا ہوا ہو۔ یعنی تحریر سنائی جائے۔

داروغہ :۔ کہئے مولانا کیا یہ تجویز منظور ہے۔

دیوبندی مولوی:۔ ارے داروغہ صاحب اس میں سنانے یا نہ سنانے کا کوئی تذکرہ ہو یا نہ ہو مگر یہ تو ہے کہ مناظرہ تحریری ہوگا۔ لہٰذا ہم اس کے پابند ہیں۔ اسکے علاوہ اور کچھ نہیں جانتے۔

داروغہ :۔ (پاسبانِ ملت کی طرف مخاطب ہو کر) اب آپ کیا کہتے ہیں۔

پاسبانِ ملت :۔ تحریری مناظرہ کا مطلب انھوں نے سمجھا ہی نہیں اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تحریر نہ سنائی جائے۔ بلکہ تحریر کی قید اس لئے لگا دی گئی ہے تاکہ طرفین کا کوئی مناظر اپنی کسی بات سے انکار نہ کرے

داروغہ :۔ اس کا کیا مطلب؟

پاسبانِ ملت :۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زبانی مناظرہ میں کبھی کبھی ایسا

ہوتا ہے کہ مثلاً میں نے یہ کہا کہ جناب نے جو بات کہی ہے وہ سراسر جھوٹ ہے یا الزام و بہتان ہے۔ اور اگر سچ ہے تو اس پر دلیل قائم کیجئے۔ تو ہمارا مدمقابل مناظر اپنی تقریر میں یہ کہے گا کہ جناب میں نے تو یہ کہا ہی نہیں تھا۔ آپ مجھ پر الزام لگا رہے ہیں۔ کہی ہوئی بات میں انکار کی گنجائش رہتی ہے۔ اس کا دروازہ بند کرنے کے لئے تحریر کی قید لگا دی گئی تاکہ کوئی مناظر اس قسم کی دھاندلی نہ کر سکے۔ زبانی مناظرہ میں تو اس کا امکان ہے مگر تحریر میں آدمی جکڑا رہتا ہے اور پابند ہو جاتا ہے۔

داروغہ:۔ کیوں مولانا بات تو صحیح ہے۔

دیوبندی مولوی:۔ جی ہاں بات تو صحیح ہے مگر چونکہ پوسٹر میں سنانے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ لہٰذا ہم تو پوسٹر کی پابندی کریں گے۔

پاسبانِ ملت: مرغے کی وہی ایک ٹانگ۔

دیوبندی مولوی:۔ پاسبانِ ملت کی بات کاٹ کر، دیکھئے داروغہ صاحب یہ پھر مذاق کرنے لگے۔

داروغہ:۔ سنجیدہ ہو کر، آپ لوگ مولوی صاحبان ہیں۔ خود کوئی فیصلہ کر لیجئے تو بہتر ہے۔ ہم تو انتظام کیلئے ہیں۔ پبلک پریشان ہے۔

پاسبانِ ملت:۔ داروغہ صاحب ایسا ہو کہ پہلے ہمارا اور ان کا مناظرہ اسی موضوع پر ہو جائے کہ تحریری مناظرہ کا مطلب کیا ہے۔ سنایا جائے یا نہ سنایا جائے۔ اگر میں یہ ثابت کر دوں کہ تحریری مناظرہ کا مفہوم یہ ہے کہ اسے سنایا جائے تو بولتا مناظرہ ہو۔ اور اگر یہ ثابت کر دیں کہ تحریری مناظرہ کا مطلب یہ ہے کہ تحریر نہ سنائی جائے تو گپ چپ، خاموش مناظرہ ہو گا۔

دیوبندی مولوی:۔ اس کا فیصلہ کون کرے گا۔؟

پاسبان ملت :۔ اس کا فیصلہ عوام کریگی۔ یہ کئی ہزار کا مجمع حکم اور شاہد
ہے۔ آپ کی اور میری گفتگو کے بعد فیصلہ عوام کے سپرد ہو جائیگا۔
داروغہ :۔ یہ تجویز آپ کو منظور ہے ؟
دیوبندی مولوی:۔ جی نہیں ۔
داروغہ :۔ کیوں ۔
دیوبندی مولوی:۔ پبلک تو یہی چاہتی ہے کہ تحریر سنائی جائے اس لئے
ہم اسے اپنا حکم کیسے مان سکتے ہیں ۔
داروغہ :۔ ہنس پڑے ۔ گویا آپ وہی کام کرنا چاہتے ہیں جو پبلک
کی مرضی کے خلاف ہو ؟
دیوبندی مولوی:۔ ہم نے عوام کو بلایا کب ؟ جو ان کی مرضی کی پابندی کریں؟
پاسبان ملت :۔ یہ جھوٹ نہیں بلکہ عوام کے ساتھ کھلا فریب بھی ہے ۔
دیوبندی مولوی:۔ نظامی صاحب ! سنبھل کر بولئے ۔ آپ ہم پر الزام لگا
کر ہمیں فریبی بنا رہے ہیں ۔
پاسبان ملت :۔ جناب کا یہ کہنا کہ ہم نے عوام کو بلایا کب ہے ؟ یہ جھوٹ
اور فریب نہیں تو اور کیا ہے ۔ اگر عوام کو بلانا مقصود نہ ہوتا تو
پوسٹر کیوں شائع کیا گیا ۔ پوسٹر گلے پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہا ہے کہ
بھنگواں چلو ، بھنگواں چلو ۔ چنانچہ گونڈہ بستی ہی نہیں
بلکہ لکھنؤ، کانپور ، بنارس ، فیض آباد ، سلطان پور ، شہڈول
وغیرہ سے لوگ آئے ہوئے ہیں فیض آباد کے سنّی مسلمانوں
نے تو پوری بستی ریزرو کرائی ہے ۔ حد یہ کہ بمبئی تک کے
لوگ آئے ہوئے ہیں ۔ اب آخر بش بلانا کسے کہتے ہیں ۔
دیوبندی مولوی :۔ جی نہیں ۔ پوسٹر عوام کو بلانے کے لئے نہیں بلکہ چندہ

کی غرض سے شائع کیا گیا ہے۔ اگر ہم پوسٹر نہ شائع کرتے تو روپیہ
کیسے اکٹھا ہوتا۔
پاسبان ملت :۔ اچھا یہ بتائیے کہ آپ کا کوئی عالم مناظرہ کیوں نہیں کر رہا ہے
دیوبندی مولوی :۔ علماء بلائے نہیں گئے تھے۔ بلکہ مناظرہ کا پوسٹر دیکھا خود
چلے آئے۔
پاسبانِ ملت :۔ اچھا۔ تو آپ کے علماء بن بلائے مہمان ہیں۔ غالباً لاوڈ اسپیکر
بھی خود ہی چلا آیا ہے۔
دیوبندی مولوی :۔ بات دراصل یہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر چندہ کی رقم سے نہیں
بلکہ ایک صاحب نے کہہ دیا تھا کہ لاوڈ اسپیکر کی ذمہ داری
میری ہے۔ یہ ان کی طرف سے ہے۔
پاسبان ملت :۔ جب خاموش مناظرہ مقصود تھا تو آپ ان کو کہہ دیتے
کہ مناظرہ میں لاؤڈ اسپیکر کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ لہٰذا
نقد روپیہ چندہ دیدیجئے۔
داروغہ :۔ خیر چھوڑیئے۔ آپ نے علماء و عوام کو مناظرہ کے
لئے نہیں بلوایا۔ لیکن اگر آگئے ہیں تو اب اگر مناظرہ ہو جائے
تو کیا حرج ہے۔ ہم لوگوں کو بھی مزا آئے گا۔
پاسبان ملت :۔ مزہ تو تب آئے گا جب تحریر سنائی جائے گی اس لئے
ان کو راضی کیجیے کہ مناظرہ علماء سے ہو اور تحریر سنائی جائے۔
دیوبندی مولوی :۔ ہمیں تو ان ہی دونوں باتوں کے ماننے سے روکا گیا
ہے۔
پاسبان ملت :۔ گویا آپ کے مسئلہ کو حل کرنے نہیں آئے ہیں۔ مجبور محض
ہیں۔ لہٰذا داروغہ صاحب میں آپ سے گذارش کروں گا

کہ ان کی جماعت کا ایسا نمائندہ طلب کیجئے جسے اتنا اختیار ہو کہ حق وانصاف کی روشنی میں وہ حقائق قبول کر سکے ۔ دیوبندیوں نے ۳۰ رجون کو ایک تحریر بھیجی اور علمائے اہلسنت کی ۱۴ شرطوں کو من وعن تسلیم کر لیا تو مناظرہ ملتوی کر دیا گیا۔ جشن فتح جمراشاہی اور کانپور میں بڑے دھوم سے منایا گیا ۔

حضرت علامہ نظامی صاحب کی ابھی تقریر کی شروعات ہی تھی کہ آپ کو بسلسلہ تقریر مرزا پور جانا پڑا۔ مولانا سلیم اللہ بنارسی بھی آپ کے شریک سفر تھے ۔ مولانا سلیم اللہ صاحب نے غیر مقلدین کا رد کیا ۔ تقریر کے بعد غیر مقلدوں کی ایک جماعت ان کی قیام گاہ پر آئی ۔ اور مولانا سلیم اللہ صاحب کو چیلنج مناظرہ دیا ۔ مولانا نے چیلنج قبول کر لیا ۔

پھر بات یہ طے ہونے لگی کہ مناظرہ کہاں پر ہوگا غیر مقلدین سے مولانا سلیم اللہ نے کہا کہ آپ لوگ میرے یہاں آئیے ۔ اور ان لوگوں کا کہنا تھا کہ آپ سفر میں ہیں آپ ہنتے ہیں ہم لوگوں کا کتب خانہ ہے وہ ہمارے بھی کام آئے گا اور آپ کے بھی ۔

علامہ نظامی صاحب خاموشی سے کچھ دیر ان دونوں کی گفتگو سنتے رہے اس کے بعد علامہ نظامی نے فرمایا کہ آپ مناظرہ کی تیاری کریں میں چلوں گا ۔

اس پر سنیوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور مناظرہ کی آواز پورے شہر میں پھیل گئی ۔ بعد نماز جمعہ سنی علماء وقت معینہ پر پہونچے ۔ غیر مقلد مناظر صاحب نے وعظ ونصیحت شروع کی اور کہا کہ مناظرہ سے کیا فائدہ؟ ملک میں اتنے مناظرے ہوئے اس کا کیا حاصل نکلا ۔

علامہ نظامی نے جواباً کہا جناب وعظ ونصیحت کرنے کا وقت نہیں ہے یہ مناظرہ کا وقت ہے چیلنج مناظرہ سے پہلے آپ کو سوچنا

چاہیئے تھا کہ مناظرہ سے کچھ فائدہ ہے یا نہیں۔ بیکار باتوں میں وقت ضائع نہ کیجئے۔

غیر مقلد کا عالم بہت موٹا، بہت لمبی داڑھی والا، چوڑا کھڈا والا تھا۔ علامہ نظامی دبلے پتلے اور منحنی تھے ابھی ٹھیک سے داڑھی بھی نہیں آئی تھی۔ ان کی باتوں کو سن کر وہ غصہ میں بولا کہ میرے عقیدے کا پوسٹر رکھا ہوا ہے اسے پڑھئے۔ آپ کو جہاں سے اختلاف ہو وہیں سے مناظرہ شروع ہو جائے گا۔

علامہ نظامی نے فرمایا کہ:۔ پڑھنے کا مطالبہ مجھ سے غلط ہے۔ پوسٹر آپ کا ہے آپ کھڑے ہو جائیے اور سنائیے مجھے جہاں اعتراض ہوگا وہیں سے مناظرہ شروع ہو جائے گا۔

علامہ نظامی کی بات پر وہ جھنجھلایا اور غصہ میں کتاب کی الماری کھولی اور مشکوٰۃ شریف نکالا۔ ان دنوں کے درمیان مولانا سلیم اللہ تھے۔ لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب نکال کر علامہ نظامی کی طرف بڑھایا۔ اور کہا جواب دیجئے کہ نماز بغیر سورۂ فاتحہ کے ہو جاتی ہے۔

علامہ نظامی نے فرمایا کہ میں بھی ایک حدیث شریف پیش کرتا ہوں پہلے اس کا جواب دیجئے لا وضوء لمن لم یسم اللہ سرکار فرماتے ہیں جس نے بسم اللہ نہیں پڑھی اس کا وضو نہیں۔ تو آپ فرمائیے کہ جو مسلمان بغیر بسم اللہ پڑھے وضو کر لیا تو اس وضو سے نماز پڑھ سکتا ہے کہ نہیں؟ وہ وضو مفتاح الصلوٰۃ ہے کہ نہیں؟

اس سوال پر وہ حواس باختہ ہو کر آئیں بائیں شائیں بکنے لگا۔ میرا تو یہی خیال ہے، میں ایسا ہی سمجھتا ہوں، میرا یہی عقیدہ ہے۔

علامہ نظامی نے فرمایا کہ خیال ہے، سمجھتا ہوں۔ اس سے کام نہیں چلے گا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ صلوٰۃ پر جو لا داخل ہے وہ نفی جنس کا ہے، یا نفی صفت کا ہے، یا نفی کمال کا ہے۔ اس لا کا کیا فائدہ ہے؟

اس سوال کو سنکر اس نے ماتھے پر ہاتھ رکھا اور پیشانی دو منٹ تک جھکائی۔ اور پسینہ پسینہ ہو گیا! اور پھر بولا۔ مولانا میں آپ سے ایسی اصولی گفتگو نہیں کر سکتا۔

علامہ نظامی نے کہا آپ اصولی گفتگو نہیں کر سکتے اور میں مجبور ہوں کہ بے اصولی گفتگو نہیں کر سکتا۔ ہمارا آپ کا نباہ کیسے ہو سکتا ہے۔ عوام نے شور مچایا کہ اپریل کے آخری تاریخوں میں غیر مقلدین کا آخری اجلاس ہونے جا رہا ہے انھیں تاریخوں میں مناظرہ رکھا جائے۔ چنانچہ طرفین سے پانچ پانچ آدمیوں کے دستخط کے ساتھ مناظرہ کی تاریخ مقرر کر دی گئی۔

معینہ تاریخ پر علامہ نظامی اپنے استاذ گرامی شمس العلماء مولانا نظام الدین صاحب، مولانا الحاج عبد الرب صاحب مرادآبادی اور دیگر علماء کو لے کر مرزاپور پہونچ گئے۔ طرفین میں مناظرہ کی بات چلتی رہی۔ لوگ آتے رہے جاتے رہے۔ ان لوگوں نے دجل و فریب کا آخری حربہ استعمال کیا۔ سنیوں سے کہا کہ آپ لوگ مناظرہ کا پرمیشن حاصل کیجئے۔ ہم مناظرہ کرنے کو تیار ہیں۔

علامہ نظامی نے فرمایا کہ درخواست یکطرفہ نہیں جائے گی۔ دوطرفہ جائے گی یعنی ہم اور آپ دونوں مل کر درخواست دیں گے کہ ہمیں مناظرہ کا پرمیشن دیا جائے۔ اور امن بحال رکھنے کے لئے پولیس کا انتظام کیا جائے۔

یہ بات ابو القاسم بنارسی (جو غیر مقلد کا امام مانا جاتا تھا) کے پاس گئی

وہ اکھڑ گیا۔ چنانچہ عبد الحمید غیر مقلد جو مناظرہ کمیٹی کا رکن تھا اس نے کہا کہ آپ پلاؤ زردہ کھائیں گے کا لک ہمارے منھ میں لگ رہی ہے۔ کیا اب مناظرہ نہیں ہوگا۔

ابو القاسم نے کہا کہ تم سمجھ لو کہ ہم ہار گئے۔ لیکن مناظرہ نہیں ہوگا۔ چنانچہ عبد الحمید روتا منھ پیٹتا علمائے بریلوی کی قیام گاہ پر آیا اور معافی چاہی کہ ہمیں معاف کر دیجئے۔ ہمارے علماء مناظرہ کے لئے تیار نہیں ہیں۔

یہ ایسی آواز تھی کہ جنگل میں جیسے آگ پھیلے ایسے ہی پھیل گئی۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ سنّی علماء پرمیشن حاصل کریں تب مناظرہ ہوگا۔ اور طرفین کے دستخط سے پرمیشن کی درخواست گذاری جائے تو وہ جھنجھلاہٹ طاری ہو جائے کہ اپنی شکست تک تسلیم کرلیں۔

بات یہ ہے کہ ان کو مناظرہ منظور نہیں ہے۔ سنّی علماء سے درخواست گذر والتے اور خود سنّیوں کے خلاف درخواست دیتے کہ چند لوگ شہر کا امن برباد کرنا چاہتے ہیں۔ یہ مناظرہ نہیں بلوا کرانا چاہتے ہیں۔ لہٰذا ان کو گرفتار کیا جائے۔ اگر مناظرہ ہی مقصود ہوتا تو درخواست دینے سے گریز اور فرار کیوں اختیار کرتے۔ اس کے بعد مسلسل بیس روز تک سنّیوں کے جلسے اس شہر میں ہوتے رہے۔ حنفیت کی جڑیں بہت مضبوط ہو گئیں۔ اور ہر جگہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا بول بالا ہوا۔

الٰہ آباد

جامعہ حبیبیہ الٰہ آباد کے ناظمِ اعلیٰ مولانا الحاج رحمت اللہ

کے ایماء پر حضرت علامہ نظامی نے بقر عید کے مسائل و فضائل پر ایک کتابچہ تحریر فرمایا جسے "نادر تحفہ" کے نام سے جامعہ حبیبیہ کے اشاعتی پروگرام کے تحت چھپا مستحبات عیدین کے تحت آپ نے لکھا ہے کہ مصافحہ اور معانقہ بھی مستحب ہے! اور شامی کا حوالہ دیا۔

دیوبندیوں نے شامی دیکھا مگر حوالہ نہ مل سکا۔ حسن منزل سے گزرتے ہوئے دیوبندیوں نے مولانا الحاج رحمت اللہ صاحب کو روکا۔ اور اس کا حوالہ مانگا۔ مولانا نے جواب دیا کہ حوالہ سڑک پر نہیں مانگا جاتا اس کے لئے دن تاریخ اور وقت متعین کر دو۔ چنانچہ تاریخ طے ہوگئی۔ وقت مقررہ پر الحاج حافظ و قاری رحمت اللہ صاحب اور حضرت علامہ نظامی صاحب حسن منزل کی مسجد میں شامی لے کر پہونچ گئے۔ دیوبندیوں کے علاوہ اور لوگ بھی موجود تھے۔ علامہ نظامی سے گفتگو کے لئے دیوبندیوں نے مولوی رومی کو طے کیا۔

علامہ نظامی نے فرمایا کہ پہلے گفتگو کا موضوع متعین کیا جائے۔ تب کوئی گفتگو کی جائے گی۔ جب تک ہمارا اختلاف متعین نہیں ہوگا گفتگو کیونکر ہوسکتی ہے۔ لہٰذا میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ عیدین میں جو آپ کو مصافحہ معانقہ سے اختلاف ہے وہ کس مرتبہ میں ہے بشرط شئے، بشرط لاشئے، یا لابشرط شئے،

حضرت علامہ کا سوال سنتے ہی رومی صاحب گھبرا گئے۔ اور شور مچائے کہ مشتاق نظامی تو منطق و فلسفہ بولتا ہے۔ حضرت پاسبانِ ملّت نے جواب دیا جناب آپ جیسے لوگوں سے منطق و فلسفہ نہ بولوں گا تو کیا بھاڑ جھونکنے والے اور گھاس کھودنے والے سے بولوں گا۔ تقریباً ۴۵ منٹ تک اس کی رگڑائی ہوتی رہی۔

جب اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور عوام سے مدد چاہی تو علامہ نے کہا کہ اگر آپ منطق و فلسفہ سے اتنا ہی گھبراتے ہیں۔ تو اب شامی کا حوالہ دیکھئے۔ کتاب آئی اور اس سلسلہ میں آپ نے جو پہلی حدیث پڑھی اسمیں کلّ لقاءٍ کے الفاظ موجود تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اپنی ہر ملاقات میں جب مصافحہ کرتا ہے تو ہاتھ الگ ہونے سے پہلے اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

علامہ نظامی نے کہا کہ رومی صاحب یہ کل لقاءٍ موجبہ کلیہ ہے اور کل ایجاب کلی کا سور ہے جس سے ہر ملاقات مقصود ہے۔ جس میں کوچہ و بازار بھی شامل ہے اور مسجد، خانقاہ اور عیدگاہ بھی۔ سرکار فرماتے ہیں کہ ہر ملاقات میں الگ ہونے سے پہلے تمہارے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ تو ہر ملاقات میں عیدگاہ بھی شامل ہے۔ آپ کی ذمہ داری ہے کہ اس کا سلب جزئی پیش کیجئے جس میں موجود ہو کہ ہر ملاقات میں مصافحہ کیا جائے لیکن عیدین کے بعد عیدگاہ میں مصافحہ نہ کیا جائے۔ موجبہ کلیہ میں نے پیش کیا ہے اس کا سالبہ جزئیہ آپ پیش کیجئے۔

انتہائی گھبراہٹ کے عالم میں مولوی رومی کے والد مولوی سراج الحق نے کہا کہ ہم مولانا بحرالعلوم کا رسالہ دکھائیں گے۔

پاسبانِ ملّت نے کہا کہ ہوش کا دامن تھامئے بات موضوع سے باہر ہو جائے گی۔ آپ کا مطالبہ تھا کہ شامی میں حوالہ دکھلائیے میں نے دکھلا دیا۔ میرا کام پورا ہو گیا اس کو مان لیجئے۔ اگر اسانید کا شوق ہے تو میں سیدنا امام احمد رضا کا رسالہ وشاح الجید فی معانقۃ العید دکھاؤں گا۔ اس کے بعد اپنا بھرم رکھنے کے لئے

تاریخ بڑھانے کا داؤ چلایا۔ اور کہا کہ ٹرین کا ٹائم ہو گیا ہے اب کل بات کیجئے گا۔ اور اب مولانا فاروق سے گفتگو ہو گی۔ علامہ نظامی نے فرمایا کہ مولوی فاروق سے گفت گو کرنے کے لئے اپنے شاگرد مولانا عبدالغفار بلند شہری کو بھیج دوں گا۔ آپ اس گفت گو میں اپنی شکست کو تسلیم کر لیجئے۔ آپ نے جس چیز کا مطالبہ کیا تھا اہلسنت کی طرف سے وہ حوالہ پیش کر دیا گیا۔

اس پر سنیوں نے نعرۂ تکبیر و نعرۂ رسالت بلند کئے اور انتہائی جوش و خروش کے ساتھ نعروں کی گونج میں مجلس ختم ہوئی۔ اور ہمیشہ کے لئے ان کے چہروں پر نامرادی کی کالک لگ گئی۔

عیسائیوں سے مناظرہ

۱۹۸۴ء کا واقعہ ہے کہ مولانا حافظ قاری شریف صاحب امام مسجد سول لائن احاطہ کوٹھی نواب یوسف الہ آباد، حضرت پاسبان ملت کے پاس آئے۔ اور کہا کہ عیسائی مشینری، طلبہ کی ٹریننگ کے سلسلہ میں الہ آباد آئی ہوئی ہے۔ اور اس کے پوپ کا کہنا ہے کہ ہمارے کچھ اسٹوڈنٹ آپ کے علماء سے اسلام کے متعلق کچھ سوالات کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ پرسوں بعد نماز عصر جامع مسجد میں یہ نشست ہوگی جس میں آپ کی شرکت نہایت ضروری ہے۔ علامہ نے منظوری دیدی۔

عیسائی مشینری کے چھتیس طلبہ، اسلام کے متعلق سوالات کرنے کے لئے بھرپور تیاریوں کے ساتھ الہ آباد کی مشہور جامع مسجد (چوک الہ آباد) میں آئے۔ علامہ بھی چند احباب و متعلقین کے ہمراہ تشریف لے گئے۔

حضرت نے خطبۂ مسنونہ کے بعد ان عیسائی طلبہ کو یوں مخاطب کیا:۔

"سوال و جواب سے پہلے آپ کو سوال کا طریقہ سمجھا دیا جائے۔ سوال اس طرح کیا جائے کہ مسائل کے تمام خد و خال روشنی میں آجائیں۔ ایسے سوالات سے کوئی فائدہ نہ ہوگا جس سے جوابات کے بعض حصّے روشنی میں آجائیں اور بقیہ دوسرے گوشے تاریکی میں رہ جائیں۔ لہٰذا سوالات رنگ و روغن، بیل بوٹوں پر نہ ہوں بلکہ نیو اور بنیاد پر ہوں۔ محراب و منبر، مینار و گنبد پر سوال نہ کیا جائے بلکہ اسلام کے اساسی اور کلیدی اصولوں پر ہو۔ پگڈنڈی پر چلنے کی بجائے ہمیشہ شاہراہوں پر چلنے کی کوشش کی جائے۔

اس کے بعد علامہ نے پوپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ:

"سوالات کے لئے ہر صبح و شام دروازے کھلے ہوئے ہیں پچپن ہزار سوالات کیجئے مگر کسی بھی سوال سے پہلے میرے ایک سوال کا جواب عنایت فرمائیں کیونکہ یہی بات حاصلِ گفتگو کی اساس ہے۔

سب سے پہلے آپ پر یہ حقیقت واضح ہونی چاہیئے کہ کسی بھی نبی و رسول پر ایمان لانا اور مُنَزَّلٌ مِنَ السَّمَاءِ (یعنی رسولوں پر خدا کی جانب سے نازل کی ہوئی کتابیں) پر یقین و اعتماد رکھنا یہ ہمارا اور آپ کا قدرِ مشترک ہے یعنی آپ کے اور ہمارے درمیان یہ نزاعی مسئلہ نہیں ہے۔ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام

پر ایمان رکھتے ہیں اور ہم بھی ان کو نبی مانتے ہیں مگر اسی کے ساتھ ہم خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ آپ انجیل کو مانتے ہیں خواہ محرف ہی سہی اور ہم قرآن کے ایک ایک نقطے پر ایمان رکھتے ہیں جو خدائے وحدہٗ لاشریک کا آخری پیغام ہے۔ آپ سے مجھے صرف یہ بات دریافت کرنی ہے کہ:

۱:۔ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ساری باتیں مانتے ہیں یا کچھ مانتے ہیں اور کچھ نہیں مانتے۔ جو بعض باتیں نہیں مانتے ان کے نہ ماننے کی وجہ کیا ہے ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

۲:۔ اور اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تمام باتیں مانتے ہیں تو ماننے کا طریقہ کیا ہے:

الف:۔ کسی بھی بات کو ماننے کے لئے بس اتنا سن لینا کافی ہے کہ حضرت مسیح نے کہا ہے اور آپ نے سر جھکا دیا۔

(ب) یا ایسا نہیں ہے بلکہ اس بات کو عقل کے سپرد کرتے ہیں۔ اب اگر عقل نے اس کی تائید و حمایت کر دی تو آپ نے تسلیم کر لیا۔ اور اگر عقل نے اسے رد کر دیا تو آپ نے اسے جھٹلا دیا۔ اگر ثانی الذکر طریقہ ہے کہ اگر عقل تائید کر دے تو ماننے اور رد کر دے تو اسے جھٹلا دیجئے۔ تو ہمارا الزام یہ ہے کہ ایسی صورت میں اسے مسیحی مذہب نہیں کہا جائے گا بلکہ عقلی کہا جائیگا۔ گو یا عقل کا دیا ہوا ہے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم کا دیا ہوا نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ مرتبہ اول ہی میں تسلیم کر لیتے۔ عقل کے حوالے نہ کرتے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آپ کا اعتماد عقل پر ہے مسیح پر نہیں

اور اگر اول الذکر طریقہ ہے یعنی کسی بات کو ماننے کے لئے حضرت مسیح کی طرف منسوب ہو جانا کافی ہے تو اسلام سے متعلق اپنے طلبہ کو یہ تاثر دینا کہاں تک درست ہے کہ مذہب اسلام عقل کے خلاف ہے۔

ایسی صورت میں کسی بات کو ماننے کے لئے ہمارے لئے بھی بس اتنا سن لینا کافی ہے کہ (قال رسول اللہ) یعنی رسول اللہ نے فرمایا اور ہم نے تسلیم و رضا کی گردن جھکا دی۔ اس کے معنی یہ ہرگز نہیں کہ اسلام عقل کے خلاف کوئی مذہب ہے۔ اسلام کے جملہ اصول و فروع عقل کے عین مطابق ہیں۔ البتہ اگر کسی کی عقل کی گرفت میں جو مسائل نہ آئے ہوں تو اسے یہ تاویل کرنی چاہیئے کہ اگرچہ یہ احکام و مسائل ہماری دسترس سے باہر ہیں مگر ان کے عواقب و نتائج فضائل و محاسن پر ریفارمر کی پوری نگاہ ہے۔

اس کے بعد حضرت علامہ نظامی نے پوپ سے یہ کہا کہ آپ اس سلسلہ میں مجھے مطمئن کیجئے۔ پھر آپ کے سوالات اور میرے جوابات ہوں گے اس سوال پر پوپ بالکل حواس باختہ ہو گیا۔ چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ پوپ کو نہ اٹھنا تھا نہ اٹھا۔ پوپ کی خاموشی پر ۳۶ طلبہ جو عیسائی تھے بے حد متاثر ہوئے۔

مناظرانہ اصول پر پوپ کو ایسا گھیرا تھا جس کی گرفت سے وہ اپنے آپ کو باہر نہ کر سکا۔ اور حضرت پاسبان ملت نے ۳۶ طلبہ کو یہ ذہن دیدیا کہ تمہارا پوپ میدان مناظرہ کے لائق نہیں ہے۔

آل انڈیا سُنّی تبلیغی جماعت

آج کے دورِ الحاد میں عالمی سطح پر اسلام اور مسلمانوں کو درپیش خطرات اور ملکی سطح پر زندگی کے ہر گوشے میں الجھے ہوئے بے شمار مسائل کا تقاضا یہ ہے کہ فرزندانِ توحید ایک اور نیک ہو کر حالات کا مقابلہ کریں اور تنظیم و اتحاد کا ایسا مظاہرہ کریں جس سے افکار و نظریات میں یگانگت اور علمی جد وجہد میں یکسانیت کی بنیاد پر ملّت اسلامیہ کی پیچیدگیوں کا مفید حل تلاش کیا جا سکے۔ اسی جذبہ کے تحت آپ نے ایک جامع منصوبہ بنایا جس کا نام آل انڈیا سنّی تبلیغی جماعت رکھّا۔

سنّی تبلیغی جماعت کے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے حضرت پاسبانِ ملّت میدانِ عمل میں کود پڑے۔ اخلاص کا سرمایہ لے کر اٹھے۔ بڑھے اور بڑھتے چلے گئے۔ محبّت کا بادل بن کر چھائے اور چھاتے چلے گئے۔ عشق و عرفان کی بارش بن کر برسے اور برستے چلے گئے اور ایک ایک خطّے کو سیراب کر گئے۔

حضرت پاسبان ملت کے اخلاص اور علمی جد وجہد کا اندازہ رازالہ آبادی کے انٹرویو سے بخوبی لگ جاتا ہے۔ جسے تاجدار نے شہید اعظم نمبر ۱۳۹۴ھ میں شائع کیا تھا۔ اس کے چند اقتباسات

مندرجہ ذیل پیش کئے جا رہے ہیں :۔

راز صاحب نے از راہ محبت آپ سے گذارش کیا کہ اب آپ کی صحت اس قابل نہیں ہے کہ اسٹیج کی مسلسل زندگی نباہ سکیں اس لئے کہ دن بھر سفر کرنا اور رات بھر جاگنا جوانوں کو نڈھال کر دیتا ہے۔ اور اب تو آپ کی زندگی اس مرحلے سے دوچار ہو رہی ہے جہاں آدمی سفر کی صعوبت برداشت نہیں کر سکتا ہے۔ اس لئے آپ تقریری پروگرام کم کر دیں اور گھر پر آرام کریں۔

پاسبانِ ملّت جواب دیتے ہیں: راز صاحب! کم نہیں پروگرام بالکل چھوڑ دینے کا ارادہ ہے۔

راز صاحب! آپ تو ناراض ہو گئے۔

پاسبان ملت! یہ ناراضگی نہیں اظہار واقعہ ہے۔

راز صاحب! آخر یہ ایسا کیوں؟

پاسبان ملت! اب سنّی تبلیغی جماعت میرا اوڑھنا بچھونا ہو گا۔ اب تک لوگوں کی دعوت پر جاتا تھا۔ اور اب بن بلائے گلی گلی کی خاک چھاننی ہے۔ سنّی تبلیغی جماعت، اور رضا لائبریری میری زندگی کی آخری خواہش ہے:

راز صاحب! اس سے قوم وملّت کا بڑا نقصان ہو گا۔

پاسبان ملت! راز صاحب! اگر سنّی عوام نے میرا ساتھ دیا تو نقصان نہیں بڑا فائدہ ہو گا جلسوں کو سنبھالنے والے تو بہت سے ہیں مگر تبلیغی جماعت جیسی زہریلی جماعت کا تریاق ابھی تک نہیں پیش کیا گیا۔ انشاء اللہ تعالےٰ سنّی تبلیغی جماعت اس کی صحیح کاٹ ثابت ہو گی اس

وقت مسلم عوام کو اس کی سخت ضرورت ہے۔

راز صاحب! آپ کے باقی اداروں کا کیا حشر ہوگا؟

پاسبان ملت! میں ان کی نگرانی کروں گا مگر مرکز توجہ سنی تبلیغی جماعت ہی ہوگا۔

راز صاحب! سنی تبلیغی جماعت کے دورہ میں سفر خرچ اور نذرانہ کی صورت کیا ہوگی۔

پاسبانِ ملت! یہ دورہ ملک گیر پیمانے پر محض تبلیغی ہوگا۔ حسب ضرورت ہم مختلف صوبوں کے مختلف مقامات کا دورہ کریں گے اسمیں سفر خرچ اور نذرانہ کا کوئی سوال نہیں ہوگا۔

راز صاحب! اگر لوگوں نے سفر خرچ اور نذرانہ کا انتظام کر دیا تو؟

پاسبان ملت! ایسی صورت میں وہ رقم جماعت کے فنڈ میں جمع کر دی جائے گی۔ تاکہ دوسرے مبلغین کو اس رقم سے بھیجا جا سکے۔

راز صاحب! اگر لوگوں نے کچھ نہیں دیا تو؟

پاسبان ملت! تو ان سے کوئی مطالبہ نہیں ہوگا۔ اگر ہم خود ان کی مدد کے قابل ہو گئے تو ان کی مدد کریں گے ورنہ ان کی مدد کے لئے دوسرے اہل خیر حضرات کو توجہ دلائیں گے۔

آل انڈیا سنی تبلیغی جماعت کے موقف کے اظہار کے لئے آپ نے ایک پوسٹر شائع کیا ہے۔ جس کی سرخی ہے "وقت کی ایک اہم ضرورت"، جس کی ہر ہر سطر میں پاسبانِ ملت کا اخلاص نظر آتا ہے پوسٹر دوسرے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

وقت کی ایک اہم ضرورت

مسلمانوں میں دینی شعور اور مذہبی حرکتِ عمل پیدا کرنے کیلئے

آل انڈیا سنی تبلیغی جماعت کا قیام

سنی تبلیغی جماعت : برسہا برس کے ذہنی گوشوں سے نکل کر ایک ناقابلِ انکار حقیقت اور مسلمہ وجود کا رنگ اختیار کر چکی ہے۔

سنّی تبلیغی جماعت : کتاب و سنّت کی روشنی میں اسلامی تعلیمات کی عالمگیر پیمانہ پر اشاعت کا مقدس اور تعمیری و بنیادی پروگرام لے کر میدان میں آئی ہے۔

سنی تبلیغی جماعت : ایمان و اعتقاد کی اصلاح کے ساتھ مسلمانوں کے دلوں میں خشیت الٰہی عشق رسول اور احترام نبوت کا جذبہ پیدا کر کے عمل صالح کی دعوت دے رہی ہے۔

سنّی تبلیغی جماعت : بدعات و منکرات اور معمولات و مراسم میں غیر اسلامی یا مشرکانہ تصورات کے خلاف ایک بہت ہی مستقل اور نہایت فعال تحریک ہے۔

سنّی تبلیغی جماعت : اس الحاد و بے دینی کے دور میں پیغمبر اسلام، صحابۂ کرام صلحائے امت اور بزرگان دین کے طرز زندگی کے درخشاں نقوش اجاگر کرنا چاہتی ہے۔

سنی تبلیغی جماعت : مسلمانوں کی زندگی کے ہر نازک موڑ پر ان کی رہنمائی اور دینی نمائندگی کرنے کے لئے مضبوط عزم لے کر اٹھی ہے۔

سنی تبلیغی جماعت : اسلامیان عالم میں مکمل اتحاد و اتفاق کی روح پیدا کر کے

دورِ اسلاف کی یاد تازہ کرنا چاہتی ہے۔

سنی تبلیغی جماعت: یہ چاہتی ہے کہ کوچہ و بازار، مساجد و مکان، درسگاہ و خانقاہ، سفر و حضر، خوشی و غم غرض ہر منزل و ہر مرحلہ میں مسلمان اپنے کردار و عمل اور صورت و سیرت سے مسلمان معلوم ہوں۔

سنی تبلیغی جماعت: موجودہ معاشرہ سماج کی تمام عریانی و فحاشی و نام نہاد نئی تہذیب کی خرابیوں کا سدّباب کرکے اسلامی نظام حیات کا مستحکم و مضبوط تصور پیش کر رہی ہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو لائحہ عمل بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش بروئے کار لا رہی ہے۔

سنی تبلیغی جماعت: تبلیغ اسلام کے حقیقی مقصد کو واضح کرکے بندوں کو معبودِ برحق کی رحمتوں سے قریب کر رہی ہے۔

سنی تبلیغی جماعت: ایک خالص مذہبی دستور اور سرفروشانہ عزم و ارادہ کے ساتھ حرکت و عمل میں آئی ہے۔

سنی تبلیغی جماعت: جسے ملک کے مقتدر و عظیم المرتبت علماء و مشائخ کی دعائیں اور تمام ہمدردانِ ملت کی پوری پوری تائید و حمایت حاصل ہے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ سنی تبلیغی جماعت کا پیغام عام ہو، گمراہوں کو ہدایت ملے، اسلام کی روشنی دلوں کی دنیا منور کرے بندے حقوق اللہ اور حقوق العباد سے واقف ہوکر کما حقہ انکی ادائیگی کریں تو آپ اپنے تمام وسائل و ذرائع

کے ساتھ ہمارا بھرپور اور حوصلہ افزا تعاون کریں۔

یاد رکھیے!

سنّی تبلیغی جماعت کی ترقی پورے عالم اسلام کی فلاح وبہبود کی ضمانت ہے۔

کیا ہم امید کریں کہ آپ وقت کی اس دینی تحریک میں ہمارے ساتھ قدم سے قدم اور شانہ سے شانہ ملاکر چلیں گے۔

ہم ہیں آپ کے مخلصانہ تعاون کے امیدوار

خلوص کار: **مشتاق احمد نظامی**

مہتمم دارالعلوم غریب نواز وخادم سنی تبلیغی جماعت۔

(الہ آباد۔ یو۔پی)

اسلام کی تاریخ درحقیقت جرأت و دلیری، ہمت وحوصلہ ایثار وقربانی اور اقدام عمل کی تاریخ ہے۔ حضرت پاسبانِ ملت کی زندگی اس سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ آپ نے ہندوستان میں اپنی انفرادیت کی مخصوص شان کے ساتھ تاریخ تیار کی تھی۔ جو روحانی بھی ہے اور تعلیمی بھی۔ آپ کی ان خدمات کے تابندہ نقوش پورے ہندوستان میں دیکھے جاسکتے ہیں مگر ان کے عشق و اخلاص کا نقش دوام آل انڈیا سنی تبلیغی جماعت شاخ باسنی کو دیکھنے کے بعد یہ کہنا پڑتا ہے:؎

قفس کی تیلیوں سے لے کے شاخ آشیاں تک ہے،\
میری دنیا یہاں تک ہے میری دنیا وہاں تک ہے۔

۱۳۹۷ھ میں آپ نے اپنے منصوبوں کو ہندوستان گیر پیمانہ پر

علمی جامہ پہنانے کے لئے مرکز رشد و ہدایت اجمیر شریف کا سفر کیا۔ غریب نواز کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کیا۔ وہاں سے باسنی ضلع ناگور[1] تشریف لائے۔ اور وہاں سے اپنے کام کا آغاز کیا۔

---

[1] ناگور شریف ایک اہم تاریخی شہر ہے اس سرزمین کو یہ فخر حاصل ہے کہ یہ سلطان التارکین ابو احمد صوفی حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ کا مسکن ہے۔ آپ حضرت خواجہ غریب نواز کے چہیتے خلیفہ ثانی ہیں۔ آپ کی سن ولادت کے سلسلہ میں اختلاف ہے۔ قاضی حمید الدین ناگوری کے پوتے مولانا برہان الدین نے اپنی تصنیف برہان المجالس میں سال ولادت ۵۹۴ھ اور ملفوظات صوفی حمید الدین سرور الصدور میں ۵۸۰ھ لکھا ہے۔

تذکرہ علمائے ہند کے مصنف نے ص۵۳ پر آپ کے وصال کی تاریخ ۲۹ ربیع الثانی ۶۷۳ھ لکھا ہے۔ ناگور شریف میں آپ کا آستانہ مرجع خلائق ہے۔

ایک روز غریب نواز علیہ الرحمہ پر خاص کیفیت طاری تھی اسی عالم کیف میں آپ نے فرمایا مقبولیت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اس وقت جو چاہو مانگ لو۔ حاضرین میں ایک شخص نے دنیا طلب کیا۔ دوسرے نے عقبیٰ۔ پھر آپ صوفی حمید الدین ناگوری کی طرف متوجہ ہوئے۔ فرمایا کیا تم بھی دنیا و عقبیٰ سے کچھ حاصل کرنا چاہتے ہو۔ آپ نے عرض کیا۔ بندہ کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ غلام کی مرضی آقا کی رضا کے تابع ہے۔ اس جواب سے آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا التارک من الدنیا والفارغ من العقبیٰ جب سے آپ کا لقب سلطان التارکین ہو گیا۔ آپ کے احاطۂ مزار کی ایک دیوار پر یہ شعر جلی حرفوں سے لکھا ہوا ہے: (بقیہ دوسرے صفحہ پر)

آپ نے باسنی کے علماء ائمہ اور مخلصین کی ایک میٹنگ کی۔ آپ نے اسلام کی اشاعت پر اور موجودہ ماحول پر ایسی تقریر کی کہ ہر دل میں جذبۂ عمل بیدار ہو گیا۔ اور دین کے لئے ہر قربانی کا جوش پیدا کر دیا عوام

حاشیہ: درویش آں نیست کہ مشہور جہاں است
درویش آن ست کہ بے نام و نشاں است

ضلع ناگور شریف میں ایک مقام روحل شریف ہے۔ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ شریف ہے جس کا سلسلۂ ذہب مندرجہ ذیل ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس سلسلہ سے جبّہ مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رُوحل شریف تشریف لایا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم	سے	حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو عطا ہوا
حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ	سے	حضرت خواجہ حسن بصری علیہ الرحمہ کو عطا ہوا۔
حضرت خواجہ حسن بصری علیہ الرحمہ	سے	حضرت خواجہ حبیب عجمی علیہ الرحمہ کو عطا ہوا
حضرت خواجہ حبیب عجمی علیہ الرحمہ	سے	حضرت خواجہ داؤد طائی علیہ الرحمۃ کو عطا ہوا۔
حضرت داؤد طائی علیہ الرحمہ	سے	حضرت معروف کرخی علیہ الرحمۃ کو عطا ہوا۔
حضرت معروف کرخی علیہ الرحمۃ	سے	حضرت شیخ سری سقطی علیہ الرحمۃ کو عطا ہوا۔
حضرت شیخ سری سقطی علیہ الرحمۃ	سے	حضرت شیخ جنید بغدادی علیہ الرحمہ کو عطا ہوا۔
حضرت شیخ جنید بغدادی علیہ الرحمۃ	سے	حضرت ممشاد علو دینوری علیہ الرحمۃ کو عطا ہوا۔
حضرت ممشاد علو دینوری علیہ الرحمہ	سے	حضرت شیخ احمد اسود دینوری علیہ الرحمہ کو عطا ہوا
حضرت احمد اسود دینوری علیہ الرحمہ	سے	حضرت شیخ ابو حفظ ابن عمر محمد عمو سہروردی کو عطا ہوا
حضرت عمر محمد عمویہ سہروردی علیہ الرحمہ	سے	حضرت شیخ وجیہ الدین سہروردی علیہ الرحمہ کو عطا ہوا
حضرت شیخ وجیہ الدین سہروردی علیہ الرحمہ	سے	حضرت شیخ ضیاء الدین ابو القاہر ابو نجیب سہروردی کو عطا ہوا

وخواص دین کے لئے ہر قربانی کے جذبہ سے سرشار ہو کر میدان عمل میں کود پڑے۔ اور چند ہی برس میں دیکھنے والوں کو آئینۂ حیرت بنا دیا ہے۔ اپنے دائرۂ عمل میں وسعت نظری، وسعت خیالی، اور وسعت قلبی کا ایسا مظاہرہ کیا ہے کہ وہاں کے عوام کی سیرت بدل گئی، صورت اسلامی ہوگئی، معاشرہ اسلامی ہوگیا۔ اب پوری فضا رحمت وانوار کی بارش میں نہا رہی ہے۔

باسنی کے لوگوں پر اللہ کے فضل کا سمندر موج مار رہا ہے وہاں کے لوگ معاشی اعتبار سے خود کفیل ہوگئے۔ زکوٰۃ کی رقم کو بیت المال میں جمع کر دیا گیا ہے۔ اس قصبہ کے عوام زکوٰۃ کو سنی تبلیغی جماعت کے بیت المال کے توسط سے ادا کرتی ہے۔ جب صالح ذہن اور عوامی سرمایہ کا صحیح استعمال ہوتا ہے تو نتیجہ یقیناً اچھا ہوتا ہے۔

ناگور ضلع کے دیہات کے مسلمان دینی زندگی سے بالکل ناآشنا تھے۔ حضرت پاسبان ملت نے ایک جامع منصوبہ تیار کیا کہ وہاں کے عوام کو اسلامی مسائل سے واقف کرایا جائے۔ ان کے بچوں کے اندر دینی تعلیم عام کی جائے اور عصری تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت پیدا ہو۔

(بقیہ صفحہ ۱۲۸ کا)

حضرت شیخ ضیاء الدین سہروردی علیہ الرحمہ سے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمہ کو عطا ہوا۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمہ سے حضرت استاذ الاولیاء قاضی حمید الدین ناگوری کو۔

حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رر سے حضرت صاحبزادہ مولانا ظہیر الدین علیہ الرحمہ کو عطا ہوا۔

حضرت مولانا ظہیر الدین علیہ الرحمہ سے اپنی اولاد کو عطا ہوا۔

جو اب تک

قریہ روحل شریف ریاست جودھپور، مارواڑ میں موجود ہے۔

آل انڈیا سنی تبلیغی جماعت شاخ باسنی کے زیر اہتمام
جو مدارس قائم ہیں ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ملاحظہ فرمائیں

نمبر شمار	اسمائے مدارس شاخہائے جماعت	مقام و پوسٹ	ضلع
۱	مدرسہ قادریہ اسلامیہ	مقام قادرپورہ	ناگور
۲	مدرسہ فیض الاسلام	قریہ دوکوسی	ر ر
۳	مدرسہ اسلامیہ صوفیہ	ڈوڈیوس	ر ر
۴	مدرسہ صوفیہ حمیدیہ	قریہ ستواس	ناگور
۵	مدرسہ غریب نواز	گوگے لاؤ	ناگور
۶	مدرسہ اہلسنت نوریہ	گڑا بھگوانداس	ناگور
۷	مدرسہ اسلامیہ حامدیہ	بھنڈیل	ناگور
۸	مدرسہ اہلسنت حنفیہ	پانچوڑی	ناگور
۹	مدرسہ تعلیم القرآن	الائے	ر ر
۱۰	مدرسہ اسلامیہ راستیہ	مقام ڈیہ	ر ر
۱۱	مدرسہ اہلسنت اسلامیہ	چھاوٹا	ر ر
۱۲	مدرسہ اسلامیہ گلشن اجمیر	فرڈود	ر ر
۱۳	مدرسہ فیض الغرباء	ترناؤ	ر ر
۱۴	مدرسہ سلیمانیہ چشتیہ	بانٹھڑی	ر ر
۱۵	مدرسہ فیض الاسلام	دوگولی	ر ر
۱۶	ر ر فیض مصطفےٰ	امبالی	ر ر
۱۷	مدرسہ اہلسنت اسلامیہ	توسینہ	ر ر

ضلع	مقام وپوسٹ	اسمائے مدارس	نمبر شمار
ناگور	ناوان سٹی	مدرسہ حضرت عبداللہ شاہ بابا	۱۸
ناگور	قریہ کھجوانا	مدرسہ گلشن رضا	۱۹
ناگور	قریہ رون	مدرسہ تعلیم القرآن	۲۰
پالی	قریہ مُوکالا میڑتا روڈ	مدرسہ اہلسنت غریب نواز	۲۱
پالی	قریہ مُوکالا	مدرسہ خواجہ غریب نواز	۲۲
رر	قریہ کرڑایاں	مدرسہ محمدیہ	۲۳
ناگور	مقام جسنگر	مدرسہ احمدیہ	۲۴
رر	رر بھیرونده	مدرسہ گلشن اجمیر	۲۵
رر	قریہ مٹھاڈنلا	مدرسہ اسلامیہ غوثیہ	۲۶
بیکانیر	قریہ نوکھامنڈی	مدرسہ اہلسنت غوثیہ	۲۷
رر	قریہ ککو	مدرسہ اہلسنت نوریہ	۲۸
رر	رر پانچو	مدرسہ فیض امام احمد رضا	۲۹
جودھپور	رر اوسیاں	مدرسہ اسلامیہ غوثیہ	۳۰
رر	رر باوڑی	مدرسہ اہلسنت اسلامیہ	۳۱
رر	رر مقام دھوا	مدرسہ اسلامیہ غوثیہ	۳۲
رر	رر سنگھاشنی	مدرسہ اشفاقیہ	۳۳
رر	مقام پیپاڑسٹی	مدرسہ مدینۃ العلوم	۳۴
رر	رر بھادی	مدرسہ اہلسنت غریب نواز	۳۵
رر	رر بلاڑا	مدرسہ ناصر العلوم	۳۶
پالی	رر پانچواں کلاں	مدرسہ گلشن بغداد	۳۷
رر	رر ہیماواس	مدرسہ اہلسنت غوثیہ	۳۸

نمبر شمار	مدارس اسلامیہ کے نام	مقام و پوسٹ	ضلع
۳۹	مدرسہ اسلامیہ غوث الوریٰ	مقام چانزد	پالی
۴۰	مدرسہ اسلامیہ محمودیہ	رر چانچوڑی	رر
۴۱	مدرسہ اہلسنت اسلامیہ	رر ناڈول	رر
۴۲	مدرسہ غریب نواز	رر بیڑا	رر
۴۳	مدرسہ غوثیہ قادریہ	رر سارن	رر
۴۴	مدرسہ فیض محمدیہ	رر چرپٹیا	رر
۴۵	مدرسہ اسلامیہ حنفیہ	رر کنٹالیہ	رر
۴۶	مدرسہ غوثیہ اسلامیہ	رر سوجت روڈ	رر
۴۷	مدرسہ نور الاسلام	رر چنڈاول	رر
۴۸	مدرسہ اہلسنت غوثیہ	رر لیلامبیہ	رر
۴۹	مدرسہ اسلامیہ چشتیہ	رر بڑگاؤں	رر
۵۰	مدرسہ اسلامیہ غریب نواز	رر اوندرا	رر
۵۱	مدرسہ اسلامیہ غوثیہ	رر کرشن گنج	سیروہی
۵۲	مدرسہ اہلسنت اسلامیہ	رر چاربھوجا	اودے پور
۵۳	مدرسہ اسلامیہ سلطان الہند	رر بیاور	اجمیر شریف
۵۴	مدرسہ محمودیہ جیلانی	رر سوجھا	باڑمیر
۵۵	مدرسہ اسلامیہ جیلانیہ		
۵۶	مدرسہ اہلسنت اسلامیہ	رر منگراڑھانی	رر
۵۷	مدرسہ فیض محمدیہ	رر پانتھاواڑہ رادھن	پور گجرات
۵۸	مدرسہ اہلسنت اصلاح المسلمین	رر سنج گرو	بیکانیر
۵۹	مدرسہ اہلسنت غوثیہ قادریہ	رر دیشنوکھ	رر

ضلع	مقام و پوسٹ	اسمائے مدارس	نمبر شمار
چورو	مقام سردار شہر	مدرسہ اسلامیہ غوثیہ	۶۰
ناگور	ر، پچھا گلی	مدرسہ صوفیہ اسلامیہ	۶۱
رر	رر ہرسور	مدرسہ تعلیم القرآن	۶۲

نوٹ :۔ اس کے علاوہ گاؤں کمھاری اور قصبہ باسنی میں بطور شبینہ کے تقریباً ۹ ر مدارس کام کر رہے ہیں۔
کل تعدادِ مدرس قریب ۷۰ ـ ۷۲

آل انڈیا سنی تبلیغی جماعت باسنی سے ملحقہ مدارس کے سرگرم مدرسین کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے جن کی مساعیٔ جمیلہ نے ایک عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔ اور دے رہے ہیں۔

مولانا ابن علی صاحب قادرپورہ ناگور	حافظ جابر علی صاحب ترناؤ
مولانا عطار الرحمٰن رر دوکوسی رر	مولانا نذر الاسلام رر دوگولی
مولانا تاج محمد رر ڈوڈیباس رر	مولوی نبی بخش رر بھنڈیل
مولانا صغیر احمد رر سنواس کی ڈھانی رر	حافظ محمد حنیف رر پانچوڑی
حافظ محمد عمر رر آلائے رر	جناب قادر بخش رر
مولانا شریف الحق رر روحل شریف رر	مولانا سلامت اللہ رر جسن نگر
مولانا ابوالکلام رر گڑھا بھگوانداس	مولانا شمو ئیل . رر رون

قاری عبدالرحمٰن صاحب کھجوانہ ناگور
مولانا عبدالرزاق صاحب پھرڑود رر
مولانا محمد صادق رر توسینا رر
مولانا غلام رسول رر امبالی رر
مولانا فہیم الدین رر موکالی رر
مولانا خلیل الرحمٰن رر بھیرونڈہ رر
مولانا سماع الدین رر منگری رر
مولانا بدرالزماں رر گوگالاؤ رر
مولانا محمد طاہر قادری رر کرڑائیاں رر
مولانا شریف الحق رر تھاؤنلا رر
مولانا ابوبکر اشرف رر باسنی شبلینہ رر
رر محمد قاسم رر باسنی رر
حافظ محمد حسن رر رر رر
منشی محمد حسن رر رر رر
جناب رمضان علی قادری رر رر رر
مولانا محمد اقبال اشرفی رر کمہاری رر
رر سکندر علی رر رر رر رر
رر محمد حنیف رر رر رر
رر محمد اکبر رر اوندرا ایرڈی
رر میر محمد قادری رر میڑتہ رر
رر فیض محمد رر کنتوریا باڑمیر
رر عبداللہ رر گولیار رر
رر شفیع محمد رر پانتھاواڑا گجرات

مولانا محمود الحسن صاحب بلاڑا جودھپور
رر سبحان رر سڑبھادی رر
رر قاری علی حسن رر پیپاڑسٹی رر
رر محمد فاروق رر باوڑی رر
رر احمد رر دھوا رر
رر عبدالصمد رر سنگھاسنی رر
رر عبدالوحید رر چیرپیٹا پالی
رر جمشید عالم رر سوجت روڈ رر
رر محمد ادریس رر چینڈ ولی رر
رر عبداللہ رر لیلامبلیا رر
رر شرف الدین رر چانچوڑی رر
رر عبدالصمد رر سارن رر
رر محمد عیسیٰ رر ناڈول رر
رر نجم الحق رر کنٹالیہ رر
رر عبدالکریم رر نیا گاؤں رر
رر عبدالحمید رر چالوند رر
رر لقمان حکیم رر حاواس رر
رر جمال الدین رر بیڑا رر
رر عبدالکریم رر پانچواں کلاں رر
رر رمضان علی رر چاربھوجا ادیپور
رر عبدالحلیم رضوی رر مالوری باڑمیر
رر محمد اشرف علی رر کریم کاپاد رر
رر قاضی رر سوجیا رر

مولانا	جنید عالم	صاحب	گلّو بیکانیر
مولانا	زاہد الرحمٰن	صاحب	پانچو 〃
مولانا	محمد قاسم قادری	صاحب	نوکھا 〃
جنابؒ	منیر احمد	صاحب	ہرسور ناگور
مولانا	افسر علی	صاحب	ناواں سٹی 〃

تبلیغی دورے

قوم مسلم کی سرفرازی کا جذبہ ہر مصلح کے اندر ضرور پایا جاتا ہے۔ مگر پاسبانِ ملّت اپنے ہم عصر علماء میں منفرد حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کے تبلیغی دوروں کو دیکھنے کے بعد آپ کے بے چین دل کا پتہ چلتا ہے۔ جو دھڑکتا تھا، تو قوم کی ترقی کے لئے اور بے چین تھا تو اسی کی سرفرازی کے لئے۔ اسی لئے کٹھن سے کٹھن منزل میں بھی آپ سرفروشانہ سفر کرتے تھے۔ اس کے باوجود وہ یہ کہتے نظر آتے تھے: ؎

فکرِ دیں، فکرِ عقبیٰ، فکرِ حق، فکرِ سخن
چار دن کی زندگی احقر ہے کیا کیا کیجئے

صرف ۱۹۸۵ء کے چند ماہ کا تبلیغی دورہ پیش کیا جا رہا ہے۔



حضرت پاسبانِ ملت کا تبلیغی دورہ ۱۹۸۵ء

نمبر شمار	اسمائے گرامی داعی	پتہ	تاریخ
۱	مولانا سراج الاسلام حبیبی	مدرسہ اصلاح القوم محلہ نیا پارہ مقام و پوسٹ جلالپور بستی ایم پی	۲ر جنوری ۸۵ء
۲	سنی بڑی مسجد	۱۶۶ء مدنپورہ بمبئی	۳ر جنوری
۳	آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماءُ	بمبئی	۴ر رر
۴	پارسی گلی اراکین کمیٹی	گجرات	۵ر رر
۵	مولانا محمود عالم رشیدی	گوونڈی	۶ر رر
۶	عبدالخالق بھائی چشتی	الجمیعۃ الاشرفیہ بمبئی	۷ر رر
۷	دارالعلوم محبوب سبحانی	دارو والا چال کرلا بمبئی	۸ر رر
۸	عبدالمنان سیٹھ	اجلاس الجمیعۃ الاشرفیہ بمبئی	۹ر رر
۹	آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماءُ	مدن پورہ بمبئی	۱۰ر رر
۱۰	سیٹھ خلیل احمد	بالا کمپاؤنڈ بھیونڈی رر	۱۱ر رر
۱۱	حاجی داؤد سیٹھ رضوی	رضوی گھر بمبئی	۱۲ر رر
۱۲	حاجی بڈن	منڈ گوڑ کرناٹک	۱۳ر رر
۱۳	دارالعلوم اہلسنت	ناسک مہاراشٹر	۱۴ر رر
۱۴	حافظ فاروق امام مسجد	لاسل گاؤں ناسک	۱۵ر رر
۱۵	مولانا کمال احمد خاں	مدرسہ دارالقرآن	۱۶ر رر
۱۶	ابوبکر	کرانہ اسٹور اورنگ آباد	۱۸ر رر
۱۷	سلطان احمد	ہنس روڈ بمبئی	۱۷ر رر

نمبر شمار	اسمائے گرامی	پتہ	تاریخ
۱۸	باپو امتیاز علی قادری دار العلوم محبوب سبحانی	قاسم حالہ مسجد بڑودہ کرلا بمبئی	۱۹ر جنوری ۲۰ر ر
۱۹	مدرسہ مدینۃ العلوم	جمعرات بازار	۲۱ر ر
۲۰	مناظرہ کمہار ٹولی	بہادر گنج، پورنیہ	۲۲ر ر
۲۱	الحاج امداد علی	جامع مسجد سری رام پور	۲۳ر ر
۲۲	جناب نواب اختر	ہریانہ	۲۴ر ر
۲۳	قاری عطاء اللہ	بہرام نگر۔ باندرہ	۲۵ر ر
۲۴	مدرسہ غوثیہ	ضلع تھانہ	۲۶ر ر
۲۵	میر فرخند علی	ایڈ دکیٹ جمعرات بازار	۲۷ر ر
۲۶	میر فرخند علی	مومن آباد	۲۸ر ر
۲۷	قاری عطاء الرحمٰن	ریحانہ منزل دیوگڑھ	۲۹ر ر
۲۸	نثار بھائی	گمبھا اسٹ	
۲۹	مولانا شبیر احمد	جامع مسجد ٹکیہ پاڑہ	۳۰ر ر
۳۰	محمد حیات خاں	گولڈا گاڈن۔ بستر	۳۱ر ر
۳۱	ماسٹر محمد انیس	نورنگ پور	۱ر فروری
۳۲	مولانا غلام مصطفےٰ صاحب	مدرسہ فیض الاسلام کیشکال	۲ر ر
۳۳	عبد المقتدر	جامع مسجد سنگام گوا	۳ر ر
۳۴	مولانا نصب العین صاحب	مخدوم سرائے سیوان	۴ر ر
۳۵	مومن آباد دسٹر کمیٹی	مومن آباد	۵ر ر
۳۶	عبد الرحمٰن خاں	چمن گنج۔ کان پور	۶ر ر
۳۷	مولانا عبد القیوم صاحب	مدرسہ غوثیہ گوپچر	۷ر ر
۳۸			

نمبر شمار	اسمائے گرامی	پتہ	تاریخ
۳۹	عبد اللطیف سیٹھ	بھیونڈی	۸ر فروری
۴۰	عبد العزیز بھائی	دواخانہ	۹ر رر
۴۱	حاجی شرف الدین	ہاؤسنگ پور، راجستھان	۱۰ر رر
۴۲	مولانا اسماعیل	قریش نگر بمبئی	۱۱ر رر
۴۳	سیرت کمیٹی	کرلا قریش نگر رر	۱۲ر رر
۴۴	ادارۂ شرعیہ	بمبئی	۱۳ر رر
۴۵	محمد یوسف	تاج اسٹور، مہاراشٹر	۱۴ رر
۴۶	مولانا عبید اللہ خاں	محلہ مٹواری۔ ہزاری باغ	۱۵ رر
۴۷	یوسف اشرفی	پرساروڈ سپیلا	۱۶ رر
۴۸	الحاج محمد ابراہیم	بمبئی سینٹر	۱۷ رر
۴۹	عبد القیوم خاں	پرانی کالونی چھوٹی لائن	۱۸ رر
۵۰	محمد محبوب علی	برگدوہ۔ گونڈہ	۱۹ رر
۵۱	شمیم احمد قادری	بیکانیر۔ ایم۔ پی	۲۰ رر
۵۲	احسان اللہ	مجگاؤں	۲۱ رر
۵۳	مولانا محمد علی فاروقی	مدھیہ پردیش	۲۳ رر
۵۴	محمد احمد حسین	پورنیہ	۲۴ رر
۵۵	امان اللہ خاں	دھوبی محلہ نیپال	۲۵ رر
۵۶	مولانا مقصود عالم	مدرسہ اسلامیہ راجستھان	۲۸ رر
۵۷	مدرسہ خیریہ	سہسرام۔ بہار	یکم مارچ
۵۸	رر	رر	۲ رر
۵۹	مولانا خواجہ ادریس	کرناٹک	۴ رر

شمار	اسمائے گرامی	پتہ	تاریخ
۶۰	مولانا شرف الدین	کرناٹک	۵ مارچ
۶۱	عبدالمنان سیٹھ	گائی ڈیہہ ایم-پی	۹ رر
۶۲	عبدالمنان سیٹھ	اترولہ	۱۰ رر
۶۳	قاری عبدالحکیم صاحب	کرناٹک	۱۱ رر
۶۴	سکندرپور عرس کمیٹی	سکندرپور۔بلیا	۱۲ رر
۶۵	رر	رر	۱۳ رر
۶۶	محمد ایوب	سبزی منڈی۔الہ آباد	۱۴ رر
۶۷	مظہر العلوم	گرسہائے گنج	۱۵ رر
۶۸	مولانا جہانگیر	بھاگلپور	۱۶ رر
۶۹	حاجی داؤد احمد رضوی	شہزادپور	۲۰ رر
۷۰	اسلم ربانی	چندرپور	۲۱ رر
۷۱	مولانا نور محمد شاہ رضوی	جبل پور	۲۲ رر
۷۲	مولانا عزیز الدین	چھترپور	۲۴ رر
۷۳	عرس	اجمیر شریف	۲۹ رر
۷۴	رر	اجمیر شریف	۳۰ رر
۷۵	کاٹھیاوار		۳۱ رر
۷۶	مدرسہ رحیمیہ	خنجرپور۔بھاگلپور	یکم اپریل
۷۷	دارالعلوم مسکینہ	دھوراجی۔کاٹھیاوار	۲ رر
۷۸	ڈاکٹر محمد اسلم	اترولہ	۴ رر
۷۹	مولانا جہانگیر	بھاگلپور	۷ رر
۸۰	مدرسہ حنفیہ غریب نواز	بکارو	۸ رر

نمبر شمار	اسمائے گرامی	پتہ	تاریخ
۸۱	مدرسہ نیازیہ قادریہ	سبزی منڈی فیض آباد	۱۴ اپریل
۸۲	مدرسہ غوثیہ	بچھول پور	۱۵ ؍؍
۸۳	سید انوار ربانی	باندہ	۱۸ ؍؍
۸۴	مولانا مرغوب حسن	جھریا۔ دھنباد	۲۰ ؍؍
۸۵	مولانا وکیل	مدرسہ گلشن بغداد ہزاری باغ	۲۱ ؍؍
۸۶	مولانا عبد اللطیف	فتحپور	۲۲ ؍؍
۸۷	مولانا ہشام میاں صاحب	بھدوہی	۲۳ ؍؍
۸۸	مولانا حبیب الرحمٰن ؍؍	باندہ	۲۴ ؍؍
۸۹	قاری رضی اللہ ؍؍	مدرسہ گلشن مدینہ پرتاپگڈھ	۲۵ ؍؍
۹۰	مدرسہ غوثیہ ریوا	ایم۔پی	۲۶ ؍؍
۹۱	دار العلوم اہلسنت	ناسک	۲۷ ؍؍
۹۲	؍؍	؍؍	۲۸ ؍؍
۹۳	سرکار مدینہ کانفرنس	دار العلوم غریب نواز۔ الہ آباد	۲۹ ؍؍ ۳۰
۹۴	؍؍	؍؍	۱ ؍ مئی
۹۵	؍؍	؍؍	۲ ؍؍
۹۶	مدرسہ حمیدیہ رضویہ	بنارس	۳ ؍؍
۹۷	قاری سید مقبول صاحب	گنجیہ	۵ ؍؍
۹۸	الحاج بڈھن	مدرسہ عربیہ منڈگور	۶ ؍؍
۹۹	جلسہ دستار بندی	؍؍	۷ ؍؍
۱۰۰	الحاج سید بادشاہ رفاعی	انکولہ	۱۰ ؍؍
۱۰۱	دار العلوم شاہ جماعت	ہاسن	۱۲ ؍؍

نمبر شمار	اسمائے گرامی	پتہ	تاریخ
۱۰۲	اراکین کمیٹی	شیموگہ	۱۳ مئی
۱۰۳	مدرسہ رضویہ کلیجھون		۱۶ رر
۱۰۴	دار العلوم غوثیہ	ہبلی	۱۷ رر
۱۰۵	مولانا منظور صاحب	شاہ نور	۱۸ رر
۱۰۶	مولانا مرغوب رر	گریڈیہ	۲۲ رر
۱۰۷	عبد الرحمٰن خاں نشتر۔	کان پور	۲۳ رر
۱۰۸	مولانا انور علی	رام نگر کرناٹک	۲۴ رر
۱۰۹	حافظ محمد صادق	کرناٹک	۲۵ رر
۱۱۰	مولانا محمد شریف القادری	مدرسہ زینت الاسلام اردو دھاپ کانپور	۲۶ رر
۱۱۱	جمیل احمد	کردل بمبئی	۲۷ رر
۱۱۲	شرف الدین انصاری	جے پور۔ راجستھان	۲ رجون
۱۱۳	مقبول احمد	لکھاہی۔ گونڈہ	۴ رر
۱۱۴	مولانا کلیم الدین	درگاہ حضرت شاہ مینا علیہ الرحمہ	۵ رر
۱۱۵	مولانا فضل حق	کوٹہ۔ راجستھان	۶ رر
۱۱۶	عبد الرؤف	چندرگھاٹ رر	۲۲ رر
۱۱۷	مولانا محمد الطاف حسین	چھتر پور۔ ایم۔پی	۲۳ رر
۱۱۸	شبیر احمد	سرائے عاقل	۲۴ رر
۱۱۹	خورشید احمد	لکھنؤ	۱۸ رجولائی
۱۲۰	اجمیر شریف	برائے حاضری	۲۲ رر
۱۲۱	رر حاجی مشتاق صاحب	گلاب پور۔ ناگور شریف	۱ راگست
۱۲۲	سانبھر شریف	رر	۲ رر

نمبر	اسمائے گرامی	پتہ	تاریخ
۱۲۳	جامع مسجد	سجادگرڑھ	۴ اگست
۱۲۴	مولانا ولی محمد صاحب	باسنی راجستھان	۶ رر
۱۲۵	عبدالرحمٰن	قادریہ بلڈنگ بمبئی	۷ رر
۱۲۶	عبدالمجید	ناگور شریف	۸ رر
۱۲۷	حاجی وزیر مسجد	شیخاوٹی۔ فتحپور	۱۰ رر
۱۲۸	سائیں محلہ	رر	۱۱ رر
۱۲۹	رام گڈھ	رام گڈھ	۱۲ رر
۱۳۰	مولانا فاضل عثمان	فتحپور۔ شیخاوٹی	۱۴ رر
۱۳۱	مولانا غلام نبی	مدرسہ تعلیم القرآن سیکرا	۱۵ رر
۱۳۲	مولانا محمد یوسف	منڈاوا۔ جھنجھنو	۱۶ رر
۱۳۳	حاجی محمد علی	سنی تبلیغی جماعت باسنی	۱۸ رر
۱۳۴	حاجی سردار احمد	باسنی راجستھان	۱۹ رر
۱۳۵	مولانا محمد حنیف	شیرازآباد	۲۰ رر
۱۳۶	فاروق پہلوان	اجمیر شریف	۲۱ رر
۱۳۷	مفتی اختر حسین	کیتھون	۲۳ رر
۱۳۸	بھائی عبدالرؤف	گلاب بیڑی۔ جام نگر	۲۴ رر
۱۳۹	روانگی	برائے الہ آباد	۲۵ رر
۱۴۰	حاجی عبدالستار	مین بازار۔ دھوراجی	۲۶ رر
۱۴۱	مولانا عبدالحمید	نادابندر۔ جوناگڑھ	۲۷ رر
۱۴۲	مولانا شفیق صاحب	کوڑی نار شریف۔ امریلی	۲۸ رر
۱۴۳	مولانا حسن رضا صاحب	دارالعلوم رضویہ۔ جام نگر	۲۹ رر

نمبر شمار	اسمائے گرامی	پتہ	تاریخ
۱۴۴	مولانا داؤد صاحب	امام جامع مسجد دھرول	۳۰ اگست
۱۴۵	مولانا امان اللہ ״	جامع مسجد جام نگر	۳۱ ״
۱۴۶	مولانا نیّر رضا ״	امام جامع مسجد راجکوٹ	۱ ستمبر
۱۴۷	مولانا صالح محمد احمد میاں	رضوی منزل ایٹہ ״	۲ ״
۱۴۸	حاجی محمد یعقوب	ایٹہ ״	۳ ״
۱۴۹	مولانا تمیز الدین ״	حسینی چوک ״	۴ ״
۱۵۰	قاری کمال احمد ״	بھاؤ نگر	۵ ״
۱۵۱	مولانا الحاج عثمان غنی	جام نگر	۶ ״
۱۵۲	عبدالرزاق	نور مسجد جکھورا جام نگر	۷ ״
۱۵۳	عبدالستار	نائب صدر میمن جماعت ״	۸ ״
۱۵۴	مولانا ہدایت علی	مدرسہ محمود الاسلام جوناگڑھ	۹ ״
۱۵۵	روانگی	برائے بمبئی	۱۴ ״ ״
۱۵۶	انور علی سکریٹری	سنی تبلیغی جماعت بھیونڈی	۲۶ ״
۱۵۷	نعیم اللہ سیٹھ	کرلا قریش نگر	۲۸ ״
۱۵۸	شہید اعظم کانفرنس	بمبئی	۲۹ ״
۱۵۹	مولانا مقصود خاں رضوی	خیرانی روڈ بمبئی	۳۰ ״
۱۶۰	حاجی داؤد ״	کرلا ״	۵ اکتوبر
۱۶۱	پولس اسٹیشن	کرلا ״	۶ ״
۱۶۲	مولانا امداد علی		۸ ״
		دھوراجی کیلئے روانگی	۱۰ ״
۱۶۳	عرس چہلم	حضرت نظام الدین بدایونی علیہ الرحمہ	۱۳ ״
۱۶۴		بمبئی کے لئے روانگی	۱۴ ״

نمبر شمار	اسمائے گرامی	پتہ	تاریخ
۱۶۵	مولانا ثمر سلطان پوری	مدرسہ غوثیہ وسئی ضلع تھانہ	۱۶ اکتوبر
۱۶۶	مجیب	کٹی باڑی دھاراوی	۱۷ رر
۱۶۷	مولانا قاضی محمد اسماعیل	ہانگل شریف	۱۹ رر
۱۶۸	مولانا عثمان	شیخاوٹی فتح پور	۲۱ رر
۱۶۹	حاجی عبدالوہاب	نائر نگر ضلع بستی	۲۳ رر
۱۷۰	علامہ ارشد القادری صاحب	مسلم پرسنل لا کانفرنس سیوان	۲۶ رر
۱۷۱	رر	رر	۲۷ رر
۱۷۲	مجلس شوریٰ	بنارس	۳۰ رر
۱۷۳	بھساول جلسہ کمیٹی	بھساول	۶ نومبر
۱۷۴		روانگی برائے کاٹھیاوار	۱۳ رر
۱۷۵	دھوراجی جلسہ کمیٹی	دھوراجی	۱۴ رر
۱۷۶	سنی مسلم کمیٹی	رر	۱۸ رر
۱۷۷	حاجی عبدالستار	مدرسہ غوث اعظم میمن واڑہ رر	۱۹ رر
۱۷۸	محمد امین	پرمکھ سنی کمیٹی گونڈل	۲۱ رر
۱۷۹	حاجی ذکریا	امرلی	۲۳ رر
۱۸۰	مولانا خورشید عالم	رر	۲۴ رر
۱۸۱	درگاہ شریف	کوڑی نار شریف	۲۵ رر
۱۸۲	مولانا رفاقت حسین	امام جامع مسجد شہر امرلی	۲۶ رر
۱۸۳	حاجی یعقوب	موتی بازار۔ ایٹہ	۲۷ رر
۱۸۴	مولانا آدم	امام مسجد دھرول۔ جام نگر	۳۰ رر
۱۸۵	منشی عبدالرحمٰن	جامع مسجد بہیڑی رر	۱ دسمبر

نمبر شمار	اسمائے گرامی	پتہ	تاریخ
۱۸۶	مولانا الحاج عثمان غنی	جوڑیا جام نگر	۲؍دسمبر
۱۸۷	باپو سید عبدالقادر	نیشنل ہوٹل۔ راجکوٹ	۳ ؍؍
۱۸۸	مدرسہ معین الاسلام	بمقام۔ بھروچ	۴ ؍؍
۱۸۹	نظام الدین	گونڈہ	۵ ؍؍
۱۹۰	قاضی برہان الدین	سنور۔ بڑودہ	۶ ؍؍
۱۹۱	مدنی موٹر گیرج	بڑودہ	۷ ؍؍
۱۹۲	مولانا عطاء الرحمٰن	دیوگڑھ پنچ محل	۸ ؍؍
۱۹۳	مولانا محمد ہاشم رضا	مونا واڑہ ؍؍	۹ ؍؍
۱۹۴	مدرسہ گلشن مدینہ	گجرات	۱۰ ؍؍
۱۹۵	شیخ غلام حسین	بڑودہ	۱۱ ؍؍
۱۹۶	مولانا ادریس رضا خاں صاحب	جھالود پنچ محل	۱۲ ؍؍
۱۹۷	مولانا عبداللطیف	تندھار۔ راجستھان	۱۳ ؍؍
۱۹۸	حاجی عبدالغنی	جمال پورہ ایم۔ پی	۱۴ ؍؍
۱۹۹	حاجی اسداللہ	سرکل شمع روڈ۔ بڑودہ	۱۶ ؍؍
۲۰۰	مولانا سعید عالم	امام مسجد کمبوں بھڑوچ	۱۷ ؍؍
۲۰۱	حاجی احمد جانو حسن	بمبئی	
۲۰۲	ابوبکر رضوی	اورنگ آباد	۲۲ ؍؍
۲۰۳	اسداللہ خاں	بمبئی	۲۳ ؍؍
۲۰۴	الحاج محمد یوسف سیٹھ	بنگلور	۲۶ ؍؍
۲۰۵	مولانا حشمت رضا	مدرسہ حشمت الرضا کرنیل گنج گونڈہ	۲۷ ؍؍
۲۰۶	دارالعلوم غریب نواز	الہ آباد	۲۸ ؍؍

معرکہ آرائیاں

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں
عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

سلطان ٹیپو شہید اور بہادر شاہ ظفر آخری مغل فرمانروا کے انجام سے مسلمانوں کی سیاسی طاقت کا تقریباً خاتمہ تصور کیا جانے لگا تھا۔ لیکن انگریز بڑے ہوشیار اور چالباز تھے ان کو یہ معلوم تھا کہ ہندوستان میں مسلمان ہی قوم ایسی ہے جو ہمیں آرام سے حکومت کرنے نہیں دیگی۔ اسلئے کہ عوام کا مذہبی جوش برقرار ہے جس سے وہ ہراساں تھے۔ انگریزوں نے اپنی جنگ کا رخ بدل دیا۔ تلوار کی جنگ کے بجائے ذہن و فکر کی جنگ شروع کر دی۔ اسلئے کہ فکر کی جنگ سے بہت دور تک قوم پر چھایا مارا جاسکتا ہے۔ اور دوسری بھیانک صورت یہ پیدا کی کہ خارجی جنگ کے بجائے داخلی جنگ شروع کر دی۔ خارجی جنگ سے داخلی جنگ ہر دور میں بھیانک رہی ہے۔

اس کام کے لئے انگریزوں کو مولویوں اور صوفیوں کی ایک بڑی ٹیم مل گئی۔ ان لوگوں نے اختلافات بین المسلمین کا کام بڑے شد و مد سے شروع کر دیا۔ کسی طرف سے مسلمانوں پر کفر و شرک کی توپ داغی، کسی طرف سے امور خیر پر بدعت کے گولے کی دھواں دھار بارش کی۔ کسی طرف سے نئی نبوت کا اعلان کیا۔ کسی مدرسہ سے خدا کے جھوٹ بولنے کا فتویٰ صادر کر دیا گیا۔ کسی خانقاہ سے حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے شیطان ملعون کے علم کو زیادہ سمجھا یا جانے لگا۔ کسی طرف سے میلاد شریف کی محفل کو کنھیا کا سوانگ بتایا جانے لگا۔ کسی مدرسہ سے علم غیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننا شرک و کفر بتایا گیا۔ کسی طرف سے تقلید شخصی کو شرک کہا جانے لگا۔ کسی مدرسہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کو بچوں، پاگلوں، اور جانوروں جیسا بیان کیا جانے لگا۔ کسی طرف سے معراج اور شق القمر کو من گھڑت باتیں کہا جانے لگا۔ کسی مدرسہ سے یہ فتویٰ دیا جانے لگا کہ انگریز حاکم باذن اللہ آمر ہیں اور ان کا باغی خدا کا باغی ہے اور اسلام سے خارج ہے۔ ایک اسلام اور راستے نکلے۔ ایسے بھیانک دور میں علمائے حق میدان عمل میں علمی جلالت کے ساتھ کود پڑے۔

حضرت پاسبانِ ملت! ایک بلند خیال مفکر، نکتہ شناس ونکتہ سنج ادیب اور علم نبوت کے سچے وارث تھے۔ مذکورہ فتنوں کے مقابلہ کے لئے مجاہد ملت کی آغوش تربیت کا جلال، اعلیٰحضرت سے عشق کا خمار اور مفتئ اعظم ہند کی علمی جلالت کی شان کو لے کر میدان عمل میں کود پڑے۔ اور اپنے وقت کے فتنوں کا سیف قلم سے وار کیا۔ اور بے شمار معرکے سر کر لئے۔ جسے دیکھنے کے بعد ناظرین کے لئے آپ آئینۂ حیرت بنے ہوئے ہیں۔

آپ کے رشحات قلم کا خلاصہ مختصر طور پر مندرجہ ذیل عنوانات پر پیش کئے جا رہے ہیں۔ جن سے آپ کے معرکہ کی اہمیت اور آپ کے حملہ کا تیور، اور آپ کے علم کی جلالت واضح ہو جاتی ہے۔

❖

محمود عباسی نے "خلافت معاویہ ویزید" جیسی گندی کتاب لکھی جس میں انھوں نے یزید کو متقی و پرہیزگار اور حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو باغی ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ عامر عثمانی ایڈیٹر تجلی اس کی تائید میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے لگے۔ اس کے خلاف آپ نے ایک معرکۃ الآرا دستاویز پاسبان الہ آباد کا نمبر "کربلا کا مسافر" پیش کیا۔ ان کے مضامین سے صرف ایک گوشہ پیش ہے جو دیدہ وروں کو حیرت زدہ کر دیتا ہے۔

خلافت معاویہ و یزید

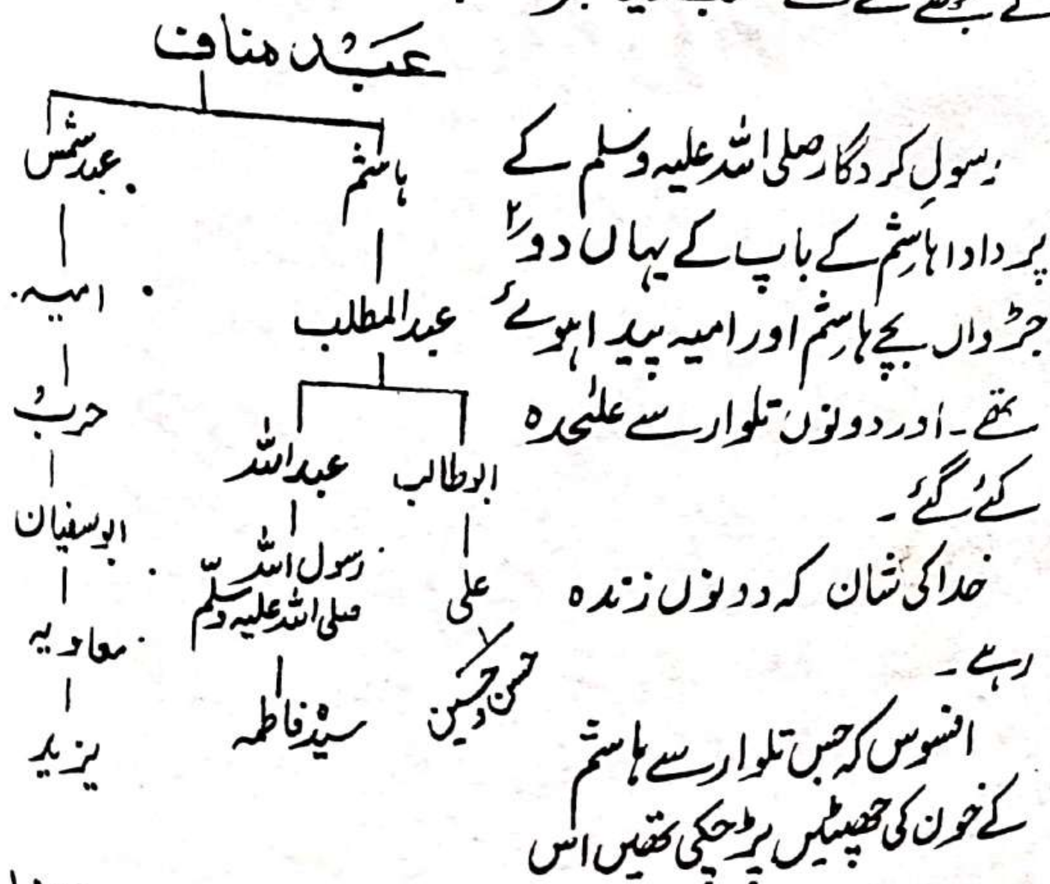
عقل و نقل کی کسوٹی پر

انتی نہ بڑھا پاکئ داماں کی حکایت

دامن کو ذرا دیکھ، ذرا بند قبا دیکھ

بغیر کسی تمہید و دیباچہ کے چند گوشے ہدیۂ ناظرین ہیں۔ یہ سطریں میں اس وقت سپرد کر رہا ہوں جبکہ میری بھانجی بستر علالت پر موت و زندگی کے کشمکش میں کروٹ بدل رہی ہے۔ ہاتھ پاؤں شل ہو چکے ہیں اور دماغ پر ایک قسم کا جمود و تعطل ہے۔ عزیزی محمد ابوذر بی اے اور مولانا انوار نظامی کے اصرار پیہم سے کچھ لکھنے کی جرأت کر رہا ہوں۔ حالانکہ چنداں ضرورت بھی نہ تھی جب کہ

"حسین نمبر" کے مرسلہ مضامین میں اپنے علماء نے اس کتاب کے بخئے ادھیڑ
دیئے ہیں اور عباسی کے دامن کی دھجیاں اڑادی ہیں ۔
اگر آپ کو اپنے ملک کی اس کہاوت سے اتفاق ہے کہ اندازہ
کے لئے دیگ کا ایک چاول کافی ہے"، تو اسی روشنی میں رسوائے عالم
کتاب کے چند مقامات کی نشان دہی کرتا ہوں جس کا آپ اندازہ
کرسکیں گے کہ عقلی اور نقلی دونوں حیثیت سے کتاب خلافت معاویہ
ویزید غیر مستند، ناقابل تسلیم ہے ۔ اور آپ یہ فیصلہ بھی کرسکیں گے
کہ عباسی کی نظر میں تصویر کا ایک ہی رخ ہے اور سہواً نہیں بلکہ عمداً
دوسرے رخ سے نہ صرف بے اعتنائی برتی گئی ہے بلکہ اس پر غبار
اڑانے کی سعی ناکام کی گئی ہے ۔
بنو امیہ اور بنو ہاشم ایک ہی روپئے کی دو تصویریں ہیں ۔ جس
کے سمجھنے کے لئے حسب ذیل شجرۂ نسب کافی ہوگا ۔



رسول کردگار صلی اللہ علیہ وسلم کے
پردادا ہاشم کے باپ کے یہاں دو
جڑواں بچے ہاشم اور امیہ پیدا ہوئے
تھے ۔ اور دونوں تلوار سے علیحدہ
کئے گئے ۔
خدا کی شان کہ دونوں زندہ
رہے ۔
افسوس کہ جس تلوار سے ہاشم
کے خون کی چھینٹیں پڑ چکی تھیں اس

نے کربلا کے میدان میں آل پیمبر کے خون سے اپنی پیاس بجھائی۔ اور جو کچھ رہی سہی کسر باقی رہ گئی تھی محمود عباسی، عامر یزیدی، اور عثمان فارقلیط ایڈیٹر الجمعیۃ دہلی کا قلم اس کی تکمیل کر رہا ہے۔ ہزاروں رحمتیں نازل ہوں داماد رسول علی ابن ابی طالب پر کہ جنھوں نے فرمایا۔ اور سچ فرمایا:—

جراحات السنان لها التیام
و لا یلتام ماجرح اللسان

خنجر کا زخم تو بھر جاتا ہے مگر زبان کا زخم کبھی پُر نہیں ہوتا۔ چنانچہ اسی زخم کاری کی ایک مہم جاری ہے۔ جس پہ پوری ملت اسلامیہ خون کے آنسو رو رہی ہے۔

اب اسی کتاب سے متعلق چند ضروری اشارات ملاحظہ فرمائیں۔

(ا)

جناب عباسی صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۳۹ پر رقمطراز ہیں:

"حضرت امیر معاویہ کی شان میں کوئی بدگمانی نہیں کی جاسکتی کیونکہ آپ کی صحابیت اور صحابیت کا لازمہ عدالت ہر قسم کی بدگمانی سے مانع ہے۔"

بہت خوب! حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کسی قسم کی کوئی بدگمانی نہیں کی جاسکتی۔ چونکہ وہ صحابی ہیں اور صحابیت کو عدالت لازمہ ہے۔ لہٰذا اب مجھے دریافت کرنے دیجئے کہ حضرت سیدنا مولائے کائنات علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ نہ صرف صحابی رسول بلکہ داماد رسول بھی ہیں۔ تو قانون کی یہ دفعہ حضرت علی کے بارے میں کیوں نہ اختیار کی گئی۔ اور حضرت علی کے بارے میں چند در چند

شکوک و شبہات پیدا کر کے اپنے نامۂ اعمال کو کیوں سیاہ کیا گیا۔

ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

اگر عباسی صاحب کو اس حدیث پر اعتماد و بھروسہ ہوتا کہ

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم

اھتدیتم ـــــ میرے صحابہ ستاروں کی مثل ہیں جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

(یا) اصحابی کلھم عدول۔ میرے صحابہ سب کے سب عادل ہیں۔

(یا) مثل اھل بیتی کسفینۃ نوح الخ

میرے اہل بیت سفینۂ نوح کی مثل ہیں جو بیٹھ گیا۔ اس نے نجات پائی اور جس نے اعراض کیا وہ ڈوب گیا۔

تو انھیں بنو ہاشم اور آل رسول کے سب و شتم کے لئے قلم اٹھانے کی زحمت ہی نہ پڑتی۔ بالفرض جنگ جمل و جنگ صفین وغیرہ کے دیکھنے سے اگر پراگندگی دماغ کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا تو اس کا علاج گالی گلوج اور تبرا بازی سے نہ کرتے بلکہ یہ سوچ کر خاموش رہتے۔ کہ تابعین اور اجلۂ صحابہ کی مقدس جماعت ہے ان کے حق میں کف لسان اور خاموش رہنا ہی باعث سعادت ہے۔ جیسا کہ اہل سنت وجماعت کا مذہب و مسلک ہے۔ مگر یہاں کا نقشہ ہی بالکل الگ تھلگ ہے۔ ایک طے شدہ ذہنی پلان ہے جس کی تائید و حمایت میں کہیں قرآن و سنت کا بے محل استعمال ہے اور کہیں دشنام طرازی بے جوڑ پیوند۔ کم از کم میری فکر و فہم سے یہ بات باہر ہے کہ حضرت امیر معاویہ کی جس صحابیت کے سامنے جناب عباسی کا قلم لرزاں و ترساں ہے وہ حضرت علی مرتضیٰ

کے بارے میں کیوں بہکا بہکا پھر رہا ہے ۔ ؎

اللہ رے خود ساختہ قانون کا نیرنگ
جو بات کہیں فخر وہی بات کہیں ننگ

۲

اب جناب عباسی کی ایک نئی تحقیق ملاحظہ کیجیے۔ خلافت معاویہ ویزید صفحہ ۲۲۳۔ حادثۂ کربلا بس اتنی دیر میں ختم ہو گیا تھا جتنی دیر قیلولہ میں آنکھ جھپک جائے۔ یعنی کم وبیش آدھ گھنٹہ میں۔

عباسی کی اس انوکھی تحقیق سے دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں:

(۱) مؤلف نے قلم اٹھانے سے پہلے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ جو بات کہی جائے وہ نئی ہو۔

(۲) دوسری بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ میدان کربلا میں یزیدی فوج کے خونخوار درندے آل پیمبر کی گھات میں بیٹھے ہوئے تھے اور حسینی قافلے کو دیکھتے ہی چیل کوؤں کی طرح ٹوٹ پڑے۔

ع نہ رسم مہر سے واقف نہ آئین وفا جانے

وہ نہ تو رسم سلام وکلام سے واقف تھے اور نہ ہی میزبانی کے طرز سے آشنا۔ اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ

ع عذر گناہ بدتر گناہ

اتنا لکھ دینے سے نہ تو یزید کی پیشانی سے کلنک کا ٹیکہ صاف ہو گیا اور عبید اللہ بن زیاد اور عمران بن سعد کے دامن سے خون کی چھینٹیں دھل گئیں۔ ظالم ظالم رہا۔ مظلوم، مظلوم۔

اب ایک اور نئی تحقیق ملاحظہ کیجئے کہ امام عالی مقام دس ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ سے روانہ ہو کر دس محرم الحرام کو کربلائے معلیٰ پہنچے۔ جس کے لئے خلافت معاویہ و یزید ص ۱۵۴ و ص ۱۵۵ ملاحظہ فرمائیے۔ اس کے اثبات میں عباسی نے فنکارانہ چابکدستیوں سے کام لیتے ہوئے اپنے کو حساب تاریخ، جغرافیہ اور ہندسہ وغیرہ میں یکتائے روزگار ثابت کرنے کے لئے کوشش کی ہے۔ بات بات میں قرآن و سنت کا نام لے کر علماء کو مرعوب کرنا ہے اور دو صفحہ کا ایک من گڑھت خاکہ کھینچ کر نیو لائٹ طبقے کو ایک قسم کی دھمکی دینی ہے۔ حالانکہ دونوں اس ڈھول کا پول اچھی طرح جانتے ہیں۔ علماء اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ عباسی کی حیثیت قرآن فہمی اور حدیث دانی میں صفر کے برابر ہے۔ اور انگریزی طبقہ یہ جانتا ہے کہ آنجناب تاریخ و جغرافیہ سے قطعاً نابلد ہیں۔ ورنہ عباسی صاحب بھارت میں اگر وزیر تعلیمات نہ سہی تو کم از کم مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وی سی ہی ہوتے۔ اور اگر امروہہ چھوڑ کر پاکستان گئے تھے تو وہاں جوتیاں چٹخاتے نہ پھرتے بلکہ چند قدم آگے بڑھ کر جامعہ ازہر مصر کے شیخ الحدیث ہوتے۔ یہ کیا قیامت کہ پوچھ گچھ کہیں نہیں اور نام چڑی مار خاں۔ ساری دنیا ایک طرف اور آں بدولت ایک طرف۔

اب عباسی صاحب کی تحقیق پر میری ایک رائے ملاحظہ کیجئے کہ آنجناب نے یہ شگوفہ کیوں چھوڑا۔ میری اپنی نظر میں اس روایت کے تین گوشے قابل توجہ ہیں۔

۱:۔۔۔ اس رائے کے پسِ پردہ یہ نظریہ کار فرما ہے کہ کربلا سے

متعلق جتنی بھی روائتیں ہیں انھیں یکسر دریابرد کر دیا جائے اور جس طرح سے اور بہت سے واقعات شہادت ہیں انھیں میں اس کا بھی شمار کر لیا جائے۔

اس پر طرفہ تماشا یہ کہ امام عالی مقام کو معاذاللہ باغی قرار دے کر بجائے شہید کے مقتول کہا جائے۔ یہ وہی زاویۂ فکر ہے جس کو اب سے کچھ دنوں پیشتر مولوی عبدالشکور لکھنوی خارجی نے اپنے اخبار النجم میں ظاہر کیا تھا۔ اس کے باوجود علمائے دیوبند اس خارجی کو اپنا امام و مقتدا جانتے ہیں۔

۲:۔۔۔ اور یہ رائے جس محور پر گردش کر رہی ہے وہ یہ ہے کہ سرکار حسین فریضۂ حج سے سبکدوش ہوئے بغیر کیونکر عزم سفر ہو سکتے تھے؟ اس لئے عباسی صاحب کا یہ کہنا ہے کہ امام عالی مقام نویں ذی الحجہ کو مناسک حج سے فارغ ہو کر دس ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے۔ اور دس محرم الحرام کو کربلا پہونچے۔ اور اگر یہ نہ مانا جائے تو امام جیسی شخصیت کو ترکِ فرض کا مرتکب ہونا پڑے گا۔

کیا کہنا ہے خارجیوں کے محقق کا! اس غریب کو یہ بھی نہیں خبر کہ امام کے لئے حج کی حیثیت فرض کی ہے۔ یا نفل کی۔ اس کو اسلامی گھرانے کا ایک ذی شعور بچہ بھی جانتا ہے کہ حج کی فرضیت نماز اور روزہ جیسی نہیں ہے۔ نماز رات اور دن میں پانچ وقتوں میں فرض ہے۔ اور ہر مسلمان عاقل بالغ اور تندرست پر ایک مہینہ کا روزہ۔ لیکن حج اپنے جملہ شرائط کے ساتھ عمر میں صرف ایک بار۔ اس کے بعد جتنی دفعہ بھی حج کیا جائے وہ فرض نہیں بلکہ نفل ہوتا ہے۔ گویا چھپن ۵۶ برس کی عمر میں حادثۂ کربلا پیش آیا اور اب تک سرکار حسین فریضۂ حج

سے سبکدوش بھی نہ ہو سکے تھے؟ جہاں اتنی نئی باتیں لکھی تھیں ایسی ایک یہ بھی اضافہ کر دیتے کہ باشندگان مکہ پر حج ہر سال فرض ہوتا ہے۔ یا آل رسول پر ہر سال فرض ہوتا ہے۔ یا امام نے ابتک حج کیا ہی نہ تھا۔ اور یہ معلوم تھا کہ کربلا سے واپسی نہ ہو سکے گی۔ لہٰذا حج جیسے فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں۔ آخرش اس قدر لکھ دینے میں کون آپ کی کلائی تھام لیتا۔

یہ ایسا مقام ہے جہاں عباسی کے قلم نے وہ ٹھوکر کھائی ہے جس کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں۔ عباسی کی معرکۃ الآرا تحقیق کا ایوان و محل اسی بنیاد پر کھڑا ہے۔ لہٰذا نتیجہ ظاہر ہے کہ

خشت اول چوں نہد معمار کج
تاثریا می رود دیوار کج

اسلئے یہ کہنا سرکار حسین فریضۂ حج سے سبکدوش ہوئے بغیر کیونکر روانہ ہوئے۔ یہ ہمارے حق میں قابل تسلیم نہیں۔ جب یہ بات غلط تو دس ذی الحجہ کی روانگی غلط۔ اور جب تاریخ روانگی غلط تو یہ کہنا بھی سراسر جھوٹ ہے کہ امام دس محرم کو کربلا پہنچے۔

۳:۔ اب اس درایت کا تیسرا گوشہ ملاحظہ کیجئے۔

جناب عباسی کا یہ کہنا ہے کہ اگر کربلا میں دس محرم کو پہنچنے کی تاریخ نہ مانی جائے تو تاریخ روانگی غلط ہوئی جاتی ہے۔ یا دونوں میں کوئی صورت تطبیق نظر نہیں آتی۔ اس سلسلہ میں اتنی ہی گذارش ہے کہ تاریخ روانگی میں ہزاروں ٹکراؤ ہوں یا سیکڑوں اختلافات ہوں۔ اس کا کوئی اثر کربلا کی ان متداول روایتوں پر

نہیں پڑسکتا جس پر علماء وصلحاء مؤرخین اور محدثین کے اتفاق نے تواتر کی مہر ثبت کر دی ہے ورنہ اس کی مثال تو ایسی ہی ہے ہو گی کہ عباسی کے والد ۱۸۵۷ء کے غدر میں پیدا ہوئے اور عباسی کے دادا نے اپنے بیٹے کا نام تاریخی رکھا۔ کچھ دنوں کے بعد لوگوں نے عباسی کے والد سے دریافت کیا کہ آنجناب کی عمر کیا ہے تو فرمایا کہ میرا نام تاریخی ہے میں غدر والے سال میں پیدا ہوا ہوں۔ لوگوں نے ابجد ہوز کے حساب سے جب سن پیدائش کا استخراج کیا تو ۱۸۵۶ء نکلا۔ اب جناب کے والد بزرگوار نے فرمایا کہ میری پیدائش تو غدر والے سال ہی میں ہوئی ہے۔ لہٰذا یہ ہوسکتا ہے کہ ہندوستان کا غدر ۱۸۵۶ء میں ہوا ہو۔ مگر میرا تاریخی نام غلط نہیں ہوسکتا۔ اگر جناب عباسی صاحب اپنے والد بزرگوار کے تاریخی نام کو صحیح ثابت کرنے کے لئے ہندوستان کے غدر کو بجائے ۱۸۵۷ء کے ۵۶ء میں مان لیں۔ تو شاید ہم بھی کچھ سوچنے پر آمادہ ہوں۔

اور اگر وہ تاریخ کی ایک سطر کو نہیں مٹا سکتے۔ تو ہم تاریخ و حدیث کی بے شمار روایتوں کو کیونکر جھٹلا سکتے ہیں؟

اب میں اختتام گفتگو پر جناب عباسی صاحب کی تحقیق جدید کا بعض دوسرے مصنفین سے ایک ہلکا پھلکا سا موازنہ پیش کرتا ہوں جس سے آپ جناب عباسی صاحب کی مطلق العنانی کا صحیح اندازہ کرسکیں گے۔

عباسی صاحب: خلافت معاویہ ویزید صفحہ ۲۲۳ پر لکھتے ہیں:

برادران مسلم اور ساکھڈ پینسٹھ کوفیوں کا ناعاقبت اندیشانہ طور سے فوجی دستہ کے سپاہیوں پر اچانک قاتلانہ حملہ کر دینے

سے یہ واقعہ محض دن یکایک اور غیر متوقع پیش آکر گھنٹہ آدھ گھنٹہ میں ختم ہو گیا جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ جنگ کی پہل حسینی قافلہ کی طرف سے ہوئی۔

اب سنئے جناب ابوالکلام صاحب اپنی کتاب صد۲ میں فرماتے ہیں "واقعات کے تفحص و تحقیق میں پوری کاوش کی گئی"، شاید اس قدر کاوش اور جستجو کے ساتھ ان حالات کا تاریخی مجموعہ دوسری جگہ نہ مل سکے۔

آزاد صاحب! معرکۂ کربلا صفحہ ۳۱ پر فرماتے ہیں:

اس کے بعد حر نے نہایت جوش و خروش سے تقریر کی اور اہل کوفہ کو ان کی بدعہدی و غداری پر شرم و غیرت دلائی لیکن اس کے جواب میں انھوں (یزیدیوں) نے تیر برسانا شروع کر دیا۔ ناچار خیمہ کی طرف لوٹ آیا۔ اس واقعہ کے بعد عمرو بن سعد نے اپنی تلوار اٹھائی اور لشکر حسین کی طرف یہ کہہ کر تیر پھینکا، گواہ رہو سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے پھر تیر بازی شروع ہو گئی۔

عباسی صاحب! خلافت معاویہ و یزید صفحہ ۲۲ "نبرد آزمائیوں کی جو تفصیلات بیان کی ہیں۔ واقعات سے ان کی ہرگز تصدیق نہیں ہوتی۔ یہ روایتیں محض وضعی و اختراعی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

آزاد صاحب! معرکۂ کربلا صفحہ ۵۲ و صفحہ ۵۳

عمرو بن سعد کو حکم تھا کہ حسین کی نعش کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالے۔ اس کا وقت آیا۔ اس نے پکار کر کہا اس کام کے لئے کون تیار ہے۔ دس آدمی تیار ہو گئے اور گھوڑے دوڑا کر

جسم پاک ار روند ڈالا (صفحہ ۵۳) پھر تمام مقتولین کے سر کاٹے گئے۔
کل بہتر تھے۔
شمر ذی الجوشن، ابن الاشعث، عمرو بن الحجاج، عزمرہ بن قیس
یہ تمام سر عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے گئے۔ ابن زیاد کے ہاتھ
میں ایک چھڑی تھی۔ آپ کے لبوں پر مارنے لگا۔ جب اس نے
بار بار یہی حرکت کی تو زید بن ارقم چلا اٹھے۔
عباسی صاحب! خلافت معاویہ و یزید صفحہ ۱۵۴ و صفحہ ۱۵۵!!
امام عالی مقام دس محرم کو کربلا پہنچے۔
ازاد صاحب! معرکۂ کربلا صفحہ ۱۸
"آخر آپ ایک اجاڑ سرزمین میں جا کر اتر پڑے پوچھا
اس سرزمین کا نام کیا ہے۔ معلوم ہوا کربلا۔ آپ نے
فرمایا یہ کرب و بلا ہے۔ یہ مقام پانی سے دور تھا
دریا اور اسمیں ایک پہاڑی حائل تھی۔ یہ واقعہ
۲ محرم سنہ ۶۱ ھ کا ہے۔"
عباسی صاحب! خلافت معاویہ و یزید صفحہ ۲۷
طبری جیسے شیعی مؤرخ کا بھی یہ بیان ہے۔
یعنی امام طبری پر شیعیت کا الزام۔
شبلی نعمانی! سیرت النبی صفحہ ۱۹ تاریخی سلسلہ میں سب سے
جامع اور مفصل کتاب امام طبری کی تاریخ کبیر ہے۔
طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین ان کے فضل و
کمال، ثقہ اور وسعت علم کے معترف ہیں۔ ان کی تفسیر احسن التفاسیر
خیال کی جاتی ہے۔ محدث ابن خزیمہ کا قول ہے کہ دنیا میں کسی کو ان

سے بڑھ کر عالم نہیں جانتا۔

علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں:

هذا رجم بالظن الكاذب جرير من كبار ائمة الاسلام المعتمدين

یہ جھوٹی بدگمانی ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ابن جریر (یعنی امام طبری) اسلام کے معتمد اماموں میں سے ہیں۔

عباسی صاحب: خلافت معاویہ ویزید صفحہ ۳۱۹

"امیر یزید کے مختصر زمانۂ خلافت کے حالات بیان کرنے میں مؤرخین نے بخل سے کام لیا ہے۔ تاہم ان کی انصاف پسندی، عدل گستری اور رحمدلی کے واقعات تجسس و تفحص سے مل ہی جاتے ہیں۔"

نوٹ: عباسی صاحب کو یہ بھی لکھ دینا چاہیئے تھا کہ مؤرخین کی وہ کانفرنس کب منعقد ہوئی تھی جس میں یہ تجویز منظور کی گئی، کہ عباسی صاحب کے امیر یزید کے حالات بیان کرنے میں بخل سے کام لیا جائے۔

علامہ تفتازانی: یہ حوالہ اس کتاب کا ہے جو درس نظامیہ میں داخل نصاب ہے۔ شرح عقائد نسفی صفحہ ۱۱۷

فنحن لا نتوقف فی شانه بل هو فی ایمانه لعنة الله علیه علی انصاره واعوانه۔	پس ہم یزید اور اس کے ایمان کے بارے میں کوئی توقف نہیں کرتے یزید اور اس کے حوارین اور معین و مددگار پر اللہ کی لعنت ہو۔

عباسی صاحب: خلافت معاویہ ویزید صفحہ ۱۳۲

آپ کی ذات ستودہ صفات کونسی پابندیوں میں نہیں
لایا جا سکتا۔ اور نہ آپ نے اپنے خاندان کو اس کی اجازت دی
کہ آپ سے تعلق اور رشتہ کی بنا پر وہ امت پر مسلط ہونے
کی کوشش کریں۔

نوٹ:۔ یہ ایک بہت ہی تفصیلی عنوان ہے جسمیں آلِ بد ولت نے
یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ اہل بیت کو عام مسلمانوں پر کوئی فضیلت
نہیں حالانکہ قرآن مجید یہ فرماتا ہے:

قرآن مجید

قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ	اے پیغمبر آپ ان لوگوں سے فرما دیں کہ تم سے اہلبیت کی محبت کے سوا اپنی پیغمبرانہ زندگی کا کوئی معاوضہ نہیں چاہتا۔

آخر ش اپنے قرابت داروں کی محبت کا مطالبہ کس رشتہ وناطہ
سے ہے۔ ایسے ہی دوسرے مقام پر قرآن مجید کا ارشاد محکم ہے، جس
کیلئے مفسرین کی رائے ہے کہ یہ حضرت علی، سیدہ فاطمہ، امام حسن اور
امام حسین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے حق میں نازل ہوئی۔

قرآن مجید

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرًا۔	اے اہل بیت اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ تم سے رجس (ناپاکی) دور کرے۔ اور تمھیں خوب خوب پاک کرے۔

حدیث شریف

ایک بار سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کالی کملی میں حضرت
علی، سیدہ فاطمہ، امام حسن، اور امام حسین (رضی اللہ عنہم) کو لے کر یہ دعا

فرمائی :-

اللّٰھم ھٰؤلاءِ اھل بیتی و خاصتی اذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا -

اے رب یہ میرے اہل بیت اور میرے مخصوصین ہیں ان سے ناپاکی دور فرما اور انھیں خوب خوب پاک کر دے ۔

نوٹ :- اب آل رسول کی منقبت میں لسان نبوت کے چند جواہر پارے ملاحظہ فرمائیں ۔

۱:- ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے حبشی بن جنادہ سے روایت کی کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علی منی و انا من علی علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ۔

۲:- ترمذی میں ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ ہمارے نزدیک علی مرتضیٰ سے بغض رکھنا منافق کی علامت ہے ۔

۳:- ابن ماجہ عساکر نے ابن عباس سے روایت کی کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے حق میں تین سو آئتیں نازل ہوئیں ۔

۴:- طبرانی و حاکم نے ابن مسعود سے روایت کی کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرتضیٰ کو دیکھنا عبادت ہے ۔

۵:- ابو یعلی و بزاز نے سعد بن ابی وقاص سے روایت کی کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے علی کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی ۔

۶:- دیلمی کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا دعا رکی رہتی ہے جب تک کہ مجھ پر اور میرے اہل بیت پر درود نہ پڑھا جائے ۔

۷:- ثعلبی نے روایت کی کہ و اعتصموا بحبل اللہ جمیعا

"وَلَا تَفَرَّقُوْا" کی تفسیر میں امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہم ہی حبل اللہ ہیں۔

۸:- دیلمی سے مرفوعاً روایت ہے کہ سرور عالم نے فرمایا میں نے اپنی بیٹی کا نام فاطمہ اسلئے رکھا کہ اللہ تعالےٰ نے اس کو اور اس کے ساتھ محبت رکھنے والوں کو دوزخ سے خلاصی عطا فرمائی۔

۹:- امام احمد نے روایت کی کہ سرکار دوعالم نے حسنین کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ جس شخص نے مجھ سے اور ان کے والد والدہ سے محبت رکھی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

۱۰:- امام احمد نے روایت کی کہ حضور نے فرمایا جو شخص اہل بیت سے بغض رکھے وہ منافق ہے۔

۱۱:- ابوسعید نے شرف النبوت میں روایت کیا کہ حضور نے فرمایا اے فاطمہ تمہارے غضب سے غضب الٰہی ہوتا ہے اور تمہاری رضا سے راضی۔

۱۲:- ترمذی کی حدیث ہے حضور نے فرمایا ھما ریحانتی من الدنیا۔ وہ دونوں یعنی حسن اور حسین دنیا میں میرے پھول ہیں۔ سرور کائنات کبھی سینہ سے لگاتے اور کبھی سونگھتے۔

غرضیکہ صحاح وغیرہ کی کتابیں مناقب اہل بیت سے بھرپور ہیں جس کو صرف چشم محبت دیکھ سکتی ہے۔ عباسی جیسے کور باطن کو کیا نظر آئے اس کو تو صرف بنو امیہ اور یزید کے حق میں روایتیں مل سکتی ہیں ان لوگوں پر جو عباسی کے دوش بدوش چل رہے ہیں آج انھوں نے فضائل اہل بیت سے چشم پوشی کی ہے۔ اگر کل انھوں نے کل قیامت

میں ان لوگوں سے منہ پھیر لیا تو ان کا کیا حشر ہو گا۔؟

دوستو! ڈرو میدان قیامت سے۔ یہ دنیا ناپائیدار ہے۔ اور اس کی تمام لذتیں فانی ہیں۔ ایمان بڑی دولت ہے۔ اور جانِ ایمان آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت و محبت ہے۔ اور یہ محبت اسوقت مکمل نہیں تا وقتیکہ آپ کے آل واصحاب کی بارگاہ میں نیازمندی نہ حاصل ہو۔

اسلاف اور بزرگوں کی بارگاہ میں بے ادبی اور دریدہ دہنی سے پرہیز کرو۔ سیدنا امام حسین کو گالیاں دے کر جنت میں نہ جاؤ گے بلکہ ان کا شرف غلامی تحصیں جنت میں لے جائیگا۔ وہ نوجوانان جنت کے سردار ہیں غرضیکہ پوری امت مسلمہ اہل بیت کی عقیدت و محبت کو حاصل زندگی سمجھتی ہے۔ اور سب کے سب آل رسول کی عظمت و حرمت کے قائل ہیں۔ عباسی جیسے ایک نہیں ہزار سرپھرے پیدا ہوں مگر مرد مسلم کے دل سے ان کی عظمت نہیں چھین سکتے۔

رسول اللہ کا وہ پیارا نواسہ جس نے ناموس رسالت کی خاطر گھر کا گھر لٹا دیا۔ وہ حسین جس نے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانا سکھایا، اس پر پروردگار عالم کی ہزار ہزار رحمتیں نازل ہوں۔ وہ اپنے جسد عنصری میں ہمارے سامنے نہیں مگر ان کی روحانیت ہماری دستگیری اور مشکل کشائی کے لئے ہر جگہ حاضر ہے۔

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جان دیگر است

عہ کربلا کا مسافر صفحہ ۲ مکتبہ پاسبان سنہ ۱۹۶۰ء

۲

مودودی فتنہ نے جب جدید ذہن وفکر پر چاندماری شروع کی تو حضرت پاسبان ملت نے جماعت اسلامی کا شیش محل لکھا۔

اس کتاب کا ایک گوشہ پیش ہے۔



مودودیت پر ایک نظر

انسان کا زندگی میں ایک متعین مقام ہوتا ہے۔ جہاں رہ کر نہ وہ صرف اپنی شخصیت کو ترقی دے سکتا ہے اور سماج کی بھی خدمت کر سکتا ہے اس کی سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہوتی ہے کہ وہ قدرت کے اس عطیہ کو ٹھکرا کر دوسرے کاموں میں اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کو صرف کرکے اور اس طرح خود کو " دھوبی کا گدھا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا بنا لے۔

مودودی صاحب کو قدرت نے صحافت کے لئے پیدا کیا تھا

قدرت کلام، عوامی نفسیات کی نبض شناسی، ایک صحافی کے روشن مستقبل کی ضمانت ہیں۔ اور قدرت نے ان میں سے ہر ایک سے حظِ وافر عطا کیا تھا مگر انھوں نے قدرت کے اس گرانمایہ عطیہ کو ٹھکرا دیا۔ اور صحافت کی بجائے سیاست میں پچھلے دروازہ سے داخل ہونے کی کوشش کی۔ ان کے معتقدین کے وقتی تاثر نے ان کا ذہنی توازن معطل کر دیا۔ اور وہ بھی "من ہستم" کا خواب دیکھنے لگے۔ ایک صحافی کی زندگی میں سب سے خطرناک وہ مقام ہوتا ہے جبکہ اس کے عقیدت مند قارئین اس کی آتش نوائی کو اس کے ذاتی خلوص اور اس کے بلند آہنگ زورِ خطابت کو اس کی پختگی کردار، اس کے بظاہر معقول استدلال کو اس کی اصابت رائے، صلاحیت، قیادت اور اس کی سطحی مگر متنوع معلومات کو اس کی ہمہ دانی اور تبحر علمی کا نتیجہ سمجھ کر کبھی اسے سیاسی لیڈر اور کبھی جامع العلوم ہمہ داں، علامۂ وقت، سمجھ کر آسمان پر چڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ وقت بڑا نازک ہوتا ہے اور یہیں سے بالعموم اکثر صحافیوں کی صحافیانہ زندگی میں رجعت قہقری شروع ہوتی ہے۔ عقلمند صحافی ایسے موقع پر "من آنم کہ من دانم" کے اصول پر عمل کرکے اپنے صحیح حدود سے تجاوز نہیں کرتا۔ اور اپنے عقیدت مند قارئین کی اس مدح سرائی سے فریب نہیں کھاتا۔

لیکن مودودی صاحب کے ساتھ دقت یہ ہے کہ ہمیشہ ہی سے اپنے علم و فضل کے متعلق بے انتہا خوش اعتمادی رہی ہے۔ اور وہ ابتدائے عمر سے لیڈر بننے اور پسماندہ قوم مسلم کی خدمت کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ ۱۹۴۰ء کے سیاسی بحران کے زمانہ میں مودودی

نے مسلمانوں اور سیاسی کشمکش کتاب لکھی۔ یہ ایک سلسلہ اپنے پُر زور شان خطابت کی بنا پر عوام میں بے حد مقبول ہوا۔ اگرچہ جو علمی تجویز اسمیں پیش کی گئی تھی وہ حقیقت پسندی سے خالی تھی کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے اسے بیش از حرکت طفلانہ، نہ سمجھا مگر عامۃ الناس کی وقتی مقبولیت سے مودودی صاحب کا ذہنی توازن درہم برہم ہوگیا۔ اور انھیں اپنے متعلق ایک سیاسی مدبر ہونے کی خوش فہمی پیدا ہوگئی۔ سمند ناز پر ایک اور تازیانہ ہوا۔ اس سے پہلے وہ محض مذہبی مسائل پر قلم فرسائی فرما چکے تھے جن کا بلند آہنگ اسلوب بیان عوام کو مسحور کر چکا تھا۔ حالانکہ ان کی سطحیت اور نامعقولیت کی بنا پر اہل قلم نے کبھی انھیں درخورِ اعتنا نہیں سمجھا۔ ان سب چیزوں کا مجموعی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مجتہد، مجدد اور مہدی مسعود بننے کے خواب دیکھنے لگے۔ طبقۂ علماء نے اسے بھی مجذوب کی ایک بڑ سمجھا۔

چنانچہ مولوی اشرف علی تھانوی نے اس جماعت کے متعلق کہا تھا:۔ ؏

"میرا دل اس تحریک کو قبول نہیں کرتا" [1]

مولوی عبدالماجد دریابادی نے ان کے تاثرات کو بایں طور

---

[1] اشرف السوانح۔

نقل کیا ہے:

حضرت کا ذوقِ سلیم اس زمانہ میں اس جماعت کی طرف سے کھٹک گیا تھا۔ اور حضرت کی فراست دینی اسی وقت امیر جماعت کی طرف سے بدگمان ہو گئی تھی۔ حالانکہ اس وقت تک جماعت کی طرف سے ان مفاسد کا ظہور نہیں ہونے پایا تھا جو بعد کو ہوا۔

بہرکیف تقسیم ہند کے بعد جب غیر معروف شخصیتیں سیاسی اقتدار کے آسمان پر جلوہ گر ہونے لگیں تو مولانا مودودی نے

ع ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی

کے مصداق تہیہ کر لیا کہ زیادہ سے زیادہ سیاسی طاقت فراہم کرکے بالآخر حکومت کی مشین پر قابض ہو جائیں۔ لیکن اہل البصیرت کے درمیان مولانا کے سیاسی تدبر کی کوئی وقعت نہ تھی۔

لہٰذا انھوں نے مذہبی بنیاد پر ایک سیاسی جماعت کی بنیاد ڈالی جس کا نام جماعت اسلامی ہے۔ حالانکہ یہ جماعت بنانے سے پہلے مودودی صاحب اس بات کے سخت مخالف تھے کہ مذہبی لائنوں پر مذہبی نام سے کوئی جماعت بنائی جائے۔ اس سے اسلام میں فرقہ بندی زیادہ ہوتی ہے۔ مذہبی لائن پر ایک نئی جماعت کی تاسیس کے لئے ضروری تھا کہ مودودی صاحب عوام کے سامنے ایک عالم کا چولا پہن کر تشریف لائیں۔

بدقسمتی سے اس سے پیش تر جو مذہبی مسائل کے متعلق انھوں نے اپنے ناپختہ خیالات کو سپردِ قلم کیا تھا۔ بالغ النظر علماء نے تو اسے درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔ لہٰذا وہ ان کی گرفت سے محفوظ رہے۔ ہاں عامۃ الناس

میں ان کی بلند آہنگ اور خطابت کی بنا پر انھیں درجہ قبولیت حاصل ہو چکا تھا۔ ویسے بھی مودودی صاحب کو ہمیشہ ہی سے اپنے علم و فضل کے متعلق بے انتہا خوش فہمی رہی ہے۔

غرض حکومت کی مسندی پر قابض ہونے کا خیال، ان کے ذہن میں اس درجہ راسخ ہو گیا کہ انھوں نے قدرت کے اس گرانمایہ عطیہ کو ٹھکرا دیا۔ اور صحافت کے بجائے سیاست کے میدان میں چور دروازے سے داخل ہونے کی کوشش کی۔ اور اب اپنی اس روش میں وہ کچھ اس قدر بے نقاب ہو چکے ہیں کہ یہ مسئلہ اب ان کے حق میں فکر و نظر کا مستحق نہیں بلکہ محض ایک بدیہی مسئلہ ہے۔

لیکن اس کا نتیجہ جلد ہی انھیں مل گیا۔ ان کا سیاسی تدبر اہل بصیرت میں مضحکہ خیز بن گیا۔ اور دعویٰ علم و فضل، ڈھول کا پول۔

چنانچہ مفتی کفایت اللہ نے ایک استفتار کے جواب میں تحریر کیا۔

> "مودودی جماعت کے افسر اعلیٰ مولوی ابوالاعلیٰ مودودی کو بھی جانتا ہوں وہ کسی معتبر اور معتمد علیہ عالم کے شاگرد اور فیض یافتہ صحبت نہیں ہیں۔ اگرچہ ان کی نظر اپنی مطالعہ کی وسعت کے لحاظ سے وسیع ہے۔ تاہم دینی رجحان ضعیف ہے۔ اجتہادی نشان نمایاں ہے۔

مفتی صاحب نے اپنی رائے کے اظہار میں بہت زیادہ احتیاط اور وسعت قلبی کا لحاظ رکھا۔ حالانکہ مودودی صاحب کی علمیت اس سے کہیں زائد کڑی تنقید کی مستحق ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر ایک امر قلمبند کیا جا رہا ہے۔

ناواقفیتِ حدیث:

اس رائے کا سب سے بڑا ثبوت تو ان کی ناواقفیت حدیث ہے۔ جو مایوس کن حد تک پہنچی ہے۔ جو حدیث کے متعلق ان کی بے اعتنائی کا باعث ہے۔ مثلاً وہ فرماتے ہیں:

قرآن وسنت کی تعلیم سب پر مقدم ہے مگر تفسیر و حدیث کے پرانے ذخیروں سے نہیں۔ (تنقیحات ص۱۲۳)

محدثین نے 'اسماء الرجال' کا عظیم الشان ذخیرہ فراہم کیا۔ جو بلاشبہ بیش قیمت ہے مگر ان میں کون سی چیز ہے جس میں غلطی کا احتمال نہ ہو۔ (تنقیحات ص۲۹۲)

ظاہر ہے یہ اس قسم کے خیالات ہیں جن پر انکار حدیث کا صحیح معنوں میں اطلاق ہو سکتا ہے۔ اور اگر استخفاف شریعت نہیں تو پھر استخفاف شریعت کسے کہتے ہیں۔؟

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ آخر حدیث رسول جو وحی غیر متلو کا مصداق ہے اور دین متین کا رکن رکین ہے اس سے یہ ملحدانہ بے نیازی کیوں؟

اس کے جواب کے سلسلہ میں ہمیں فطرت انسانی کے اس اصول کو نہیں بھولنا چاہئے کہ آدمی جس چیز میں اپنی کمزوری محسوس کرتا ہے۔ اور ہمیشہ اس کے استخفاف پر آمادہ رہتا ہے۔ یہ عام کلیہ ہے۔ اور مودودی صاحب بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ مفتی کفایت اللہ کی رائے اوپر نقل ہو چکی کہ وہ کسی معتبر اور معتمد علیہ عالم کے شاگرد اور فیض یافتہ نہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ مودودی حضرات مفتی صاحب کی اس رائے کو تعصب پر محمول فرمائیں لیکن یہ واقعہ اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ انھوں نے

درسیات تک باقاعدہ نہیں پڑھیں۔ اوائل عمر ہی میں ان کے والد کا انتقال ہو گیا جس کی بنا پر رسمی تعلیم کا سلسلہ درہم برہم ہو گیا۔ البتہ مشہور رہے کہ غیر رسمی طور پر آپ کی علمی رہنمائی مولانا عبدالسلام نیازی نے کی جو رام پور کے مشہور معقولی تھے۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے۔

۱:- اسلام کو سمجھنے کے لئے ان کی درسی تعلیم اتنی بھی نہیں ہوئی، جو ایک معمولی عربی طالبعلم کی ہوا کرتی ہے۔

۲:- مولانا عبدالسلام نیازی معقولی تھے اور جن لوگوں نے حسب استطاعت فیض حاصل کیا وہ صرف فلسفہ وحکمت ہی میں کیا کم ہی لوگوں نے دیگر فنون کی کتابیں ان سے پڑھی ہونگی۔

۳:- مولانا عبدالسلام نیازی کے تعلق نیز مودودی صاحب کے سلجھے ہوئے اسلوب بیان سے بعض حضرات کو یہ دعوکا ہوتا ہے کہ مودودی صاحب قرآن وحدیث، فقہ اور علوم دینیہ میں تو نہیں ہاں فلسفہ وکلام میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ خود مودودی صاحب کو اپنے متعلق فقیہہ اور متکلم ہونے کی خوش اعتمادی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"فقہ وکلام کے مسائل میں میرا ایک خاص مسلک ہے جس کو میں نے اپنی ذاتی تحقیق کی بنا پر اختیار کیا۔"

لیکن بالغ نظر حضرات جانتے ہیں کہ ان کی تحریروں میں سوائے ظاہری منطقیت کے جو ایک دلنشیں انداز صحافت کا دوسرا نام ہے کوئی چیز ایسی نہیں جو ان کا فلسفہ دانی یا واقفیت علم کلام کی غمازی کرتی ہو۔

رہی وہ چیز جسے کلام میں اپنا ایک خاص مسلک بتاتے ہیں

اور جس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ "میں نے اپنی ذاتی تحقیق کی بنا پر اختیار کیا ہے"، اس کی حقیقت محض اتنی ہے کہ وہ ان کی ذہنی مرعوبیت اور یورپین علماء کے اقوال سے علمی مغلوبیت نیز بلند بانگ دعویٰ تردید مغربیت کے درمیان ایک بھونڈا سمجھوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انھیں غیر مسلموں کے بعض ایسے اعتراضات سے دوچار ہونا پڑا جسے معترضین نے تاریخی واقعات سے مؤید کر کے قرین قیاس بنا دیا[1] تھا اور ادھر کیفیت یہ تھی کہ مودودی صاحب کا مطالعۂ تاریخ بہت سطحی تھا۔

ان سب چیزوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے اعتراضات پر اپنی عاجزانہ خاموشی سے مہر توثیق ثبت فرما دی۔ اور ان سے بچنے کے لئے انھوں نے اسلام کی بعض اصولی تعلیمات سے انکار کر دیا۔

چنانچہ "تجدید و احیائے دین" میں فرمایا:

اسلامی اصطلاح میں جس کو فرشتہ کہتے ہیں وہ تقریباً وہی چیز ہے جس کو یونان، وہندوستان وغیرہ ممالک کے مشرکین نے دیوی اور دیوتا قرار دیا ہے۔"

پھر "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" میں لکھتے ہیں

یہی فرشتے دوسرے مشرک قوموں میں دیوتا قرار دیئے گئے تھے۔

قارئین کرام! یہ مودودی صاحب کا مسائل کلامیہ میں ایک

---

[1] مثلاً پادری ٹسڈیل وغیرہ کے اعتراضات کہ اسلام کی تعلیمات دوسرے مذاہب کی تعلیمات کا انتخابی انداز میں خوشہ چینی کا نتیجہ ہیں۔ مثال کے طور پر وہ کہتے ہیں کہ ملائکہ کا تصور پارسیوں کے تخیل سے ماخوذ ہے۔

خاص مسلک ہے۔

ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

جب علوم کلامیہ میں مودودی صاحب کی تبحر علمی کا یہ عالم ہے، تو علم الحدیث میں ان کا مرتبہ اور مقام ظاہر ہے۔ ان کی حدیث دانی کا یہ عالم ہے کہ ایک مستقل تصنیف سوا سو صفحہ کی۔ تجدید و احیائے دین کے نام سے لکھ ڈالی لیکن نفس تجدید و احیاسئے دین کی مشروعیت کے متعلق ایک حدیث بھی نہ لکھ سکے۔ بلکہ کل کتاب میں ایک عدد حدیث نقل کی ہے اور وہ بھی حاشیہ میں۔ پھر یہ حدیث بھی کسی کتاب سے نہیں لی۔ کیونکہ مولانا کو ہوا پرستی اور قلب بالدین سے اتنی فرصت کہاں جو کتب احادیث کے مطالعہ میں دماغ سوزی کر سکیں۔ نہ کسی جرم میں ماخوذ کہ اس کی برءیت کے لئے اگلے پچھلے محدثین کے اقوال جمع کر سکیں[1]۔

بہر کیف! مولانا نے یہ حدیث مولوی اسماعیل دہلوی کی کتاب منصب امامت سے نقل کی ہے۔ جنھوں نے اسے شاطبی کے "موافقات" سے لیا ہے۔

یہ ہے مولانا مودودی کی حدیث دانی اور اعتنا ربالحدیث۔ یہاں پر

---

[1] مودودی صاحب جو کل تک حدیث و تفسیر کے پرانے ذخیروں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے اور جو متاخرین کی آمیزشوں کو بنظر استحقار دیکھتے تھے۔ جب ہزاروں مسلمانوں کا گلا کٹوانے کے جرم پر مارشل لا کے شکنجے میں پھنسے تو پھر انھیں پرانے ذخیروں سے اپنی برائت کے لئے مواد فراہم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اور متاخرین کی آمیزشوں سے خوشہ چینی کرنے لگے۔ سچ ہے آسمان کا تھوکا حلق میں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے "دعوت"، دہلی۔

مودودی صاحب اور ان کے وکلاء سے صرف ایک ہی سوال ہے جسکی تفصیل، تنقیح، ان کی حدیث دانی اور عدم اعتنا بالحدیث کو بے نقاب کر دیگی۔

مودودی صاحب نے "تجدید واحیائے دین" کے عنوان سے سوا سو صفحے کی ایک مستقل کتاب لکھ ڈالی۔

سوال یہ ہے:

۱:- نفس تجدید واحیائے دین امر مشروع ہے یا غیر مشروع۔

۲:- اگر غیر مشروع ہے تو اس فعل غیر مشروع کو کیا کہیئے؟ تجدید واحیائے دین کا دعویٰ اور غیر مشروع فعل کا ارتکاب

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

۳:- اگر غیر مشروع ہے تو شریعت میں اس کی اصل ہے یا نہیں؟

۴:- اگر شریعت میں اس کی اصل ہے تو کیا؟

۵:- اگر نہیں ہے تو یہ احداث فی الدین اور بدعت کا مصداق ہے یا احیائے دین یا افساد فی الدین؟

۶:- آیا وہ مودودی صاحب کو معلوم تھی یا نہیں

۷:- اگر مولانا کو تجدید واحیائے دین کی اصل شرع معلوم تھی تو پھر کس بنا پر اسے ان کے پندار علمی نے درخور اعتنا نہ سمجھا۔ اس نخوت وپندار کو آپ کیا کہیں گے؟ عدم اعتنا بالحدیث، استخفاف سنت یا تفریق بین اللہ ورسول۔

۸:- اگر مولانا کو تجدید واحیائے دین کی اصل شرعی معلوم نہ تھی۔ تو مولانا کی تبحر علمی اور وسعت مطالعہ ظاہر ہے۔ اور اس کے بعد انھیں دعویٰ ہے کہ وہ اسلام کے اصول پر ایک نئے اجتماعی نظام

اور ایک نئی تہذیب کی تعمیر کا پروگرام لے کر اٹھے ہیں۔

یہ ہیں تجدید و احیائے دین کے مدعی جو اصولی تعلیمات سے مایوس کن حد تک ناآشنا ہیں۔ اور پھر دعویٰ ہے کہ سو فیصدی اسلامی تہذیب کی بنا استوار کریں گے۔ مسئلہ کی جس قدر ممکنہ شقوق ہو سکتی تھیں قلمبند کی گئیں۔ ان شقوق میں سے کسی نہ کسی کا جواب اثبات میں دینا ہو گا۔ اور جواب کی قباحت ظاہر ہے۔

یا تو مولانا نے قصداً اصل شرعی کو اپنی بے لگام انشاء پردازی میں سدِ راہ سمجھ کر درخورِ اعتنا نہ سمجھا اور اس طرح استخفافِ شریعت کے جرم قبیح کا ارتکاب کیا۔ یا پھر مولانا کو دورۂ حدیث کا رسمی یا غیر رسمی طور پر موقع ہی نہ ملا۔ حالانکہ کوئی طالبِ علم بھی اس دورے کے پڑھنے سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ یہ امر ان کی ناواقفیت حدیث کا شاہدِ عدل ہے اور ان کے مبلغِ علم کی پستی کا روشن ثبوت۔

اس مسئلہ کے واضح ہو جانے کے بعد مودودی احباب کو اپنے طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کر لینا چاہیئے کہ وہ کس مجتہد العصر کی تقلید کر رہے ہیں۔ کتاب و سنت سے جس شخص کی ناواقفیت، اور بے اعتنائی کا یہ عالم ہے اس کی دعوت دین دعوتِ حقہ ہے، یا دعوت باطلہ۔



۳

فتنۂ قادیانیت کا دوسرا روپ "دیندار جماعت" ہے۔
اس نے ہندوستان کے مسلمانوں کو دین کے نام پر
بے دین بنانے کی تحریک شروع کی۔ تو پاسبانِ ملت نے
اس کے رد میں "دیندار کے بے نقاب چہرے" نامی کتاب
لکھی۔ اور بے شمار مسلم عوام کو گمراہی سے بچا لیا۔

ختمِ نبوت کے موضوع پر آپ کے
رشحاتِ قلم کو ملاحظہ
فرمائیے ۔۔۔۔

ختم نبوت

ختم نبوت، اسلام کا ایک ایسا بنیادی مسئلہ ہے جس پر تمام ہی جمہور علمائے اسلام کا کلیتہً اتفاق ہے کہ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نبی آخر الزماں ہیں۔ آپ کے بعد دروازہ نبوت بند ہو چکا۔ جس پر قرآن کریم کی حسب ذیل آیۃ کریمہ شاہد عدل ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ.

چنانچہ یہ امر مسلم ہے کہ اس آیت کی دلالت ختم نبوت زمانی پر دلالت مطابقی ہے حتیٰ کہ اب اگر کوئی اپنی من گڑھت، نکتہ آفرینی، اور غیر معقولی ہو کر منطقی زور استدلال سے اس کو ذاتی اور زمانی میں تقسیم کر کے ختم نبوت ذاتی پر اس کی دلالت، دلالت مطابقی تسلیم کرے تو اسے قرآن میں تحریف بالمعنیٰ کا مجرم قرار دیا جائیگا اور اہل علم و بصیرت اسے خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ قرآن میں تحریف کفر ہے اور اس کا محرّف کافر۔ خواہ تحریف لفظی ہو یا معنوی۔

بعض لوگ اپنی کج فہمی و نادانی سے یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ مقام مدح ہے۔ لہٰذا سب سے آخر میں آنا اسمیں رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی کونسی مدح و تعریف ہوئی؟ لیکن بالغ نظر اور دور رس حضرات پر یہ مخفی نہیں کہ ختم نبوت زمانی سے مسئلہ امتناع نظیر کو تائید و ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

چونکہ خاتم ایک ہی ہوتا ہے دو نہیں ہوتے ۔

چنانچہ اسی غلط فہمی کی بنیاد پر امکان نظیر اور امتناع نظیر کی بحث چھڑ گئی جس کے نتیجے میں حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ اور مولوی اسماعیل دہلوی کے درمیان یہ ایک ما بہ النزع اور مختلف فیہ مسئلہ بن گیا ۔

حضرت علامہ ذات رسالت سے متعلق امتناع النظیر کے قائل ہیں اور مولوی اسماعیل دہلوی امکان نظیر کے ۔

حضرت علامہ کا کہنا تھا کہ سرور عالم روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ممتنع النظیر ہے ۔ آپ کی مثل پیدا ہونا محالات سے ہے ۔ دلائل میں ایک اہم دلیل یہ بھی ہے کہ خاتم ایک ہی ہوتا ہے دو نہیں ۔

اب اس نظری مسئلہ کو آپ مشاہدہ کی مثال سے اس طرح سمجھئے مثلاً کسی اجلاس کے صدر دروازہ پر ایک میز رکھ دی جائے جس پر قلم دوات اور سادہ رجسٹر ہو اور کاتب کو یہ ہدایت کر دی جائے کہ جو سب سے پہلے آئے اس کا نام درج رجسٹر کر لیا جائے ۔ پھر لوگ گذرتے رہیں اور قلم روک لیا جائے ۔ اس کے بعد رجسٹر پر صرف ان کا نام لکھا جائے جو سب سے آخر میں جائے ۔ اب اس کے بعد آپ ذہن پر زور ڈال کر خود فیصلہ کیجئے کہ اس سادہ رجسٹر میں کتنے نام ملیں گے ۔؟

یہ تو ایک مانی ہوئی بات ہے کہ اس میں صرف دو ہی نام نظر آئیں گے ۔ ایک اس کا نام جو سب سے پہلے آیا ۔ اور دوسرا وہ جو سب سے آخر میں آیا ۔ گو لاکھوں آئے اور لاکھوں گئے ، مگر معلوم ہوا کہ سب سے پہلے آنے والا ایک اور سب سے آخر میں جانے والا بھی ایک بس ایسے ہی عالم خلق کے سادہ رجسٹر کی سراغرسانی کیجئے کہ اس عالم ایجاد و امکان میں

سب سے پہلے آنے والا تو آپ کو سب سے پہلا نام آقائے دوعالم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ملے گا۔ اور آسمان نبوت ورسالت پر نجم وقمر بن کر چمکنے والوں کی تلاش کیجئے تو سب سے آخر میں آفتاب نبوت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا نام نامی روشن وتابناک نظر آئے گا۔ بس یہ متعین ہو گیا کہ اولیت اخرویت ایک ہی کی صفت ہے دو کی نہیں۔ اسی لئے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اول کبھی کہا جاتا ہے یا یں معنی کہ "اول المخلوقات"۔ اور خدائے قدیر کی اولیت کا مفہوم ہے کہ "اول الموجودات" لہٰذا حاصل کلام یہ ہوا کہ جب آخر ایک ہی ہوتا ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل پیدا ہونا محالات سے ہے۔

البتہ مولوی اسماعیل صاحب دہلوی کو یہ دھوکا ہوا کہ ایسی صورت میں ہمارے اللہ صاحب کی قدرت پر حرف آجائیگا۔ گویا خدا ابھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نہ پیدا کرے۔

چونکہ تقویۃ الایمان میں اس مفہوم کی وضاحت ہے کہ:

"اللہ کی قدرت سے بعید نہیں اگر وہ چاہے تو محمد جیسے کروڑوں محمد پیدا کرے۔"

کاش کہ لوگ تعصب کی عینک اتار کر اصل مسئلہ کو سچائی اور دیانتداری سے کھنگالتے تب حقیقت بے نقاب ہوتی کہ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی ذات گرامی ممکن النظیر ہے یا ممتنع النظیر۔

غور فرمائیے:

بات اتنی سی ہے کہ سیدنا آدم سے لے کر حضرت مسیح علیہ السلام تک جتنے بھی انبیاء ورسل آتے رہے اس کی کثرت تعداد وتسلسل میں خدا کی قدرت کا ظہور رہے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق

خاتم النبیین کا اعلان کر کے رب کریم نے اپنی مشیت و ارادہ کا بھی اظہار کر دیا۔ یعنی جب میں نے چاہا نبیوں اور رسولوں کو بھیجتا رہا لیکن اب اپنے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے خاتم یعنی آخری نبی بنا دیا۔ لہٰذا اس سے خود بخود واضح ہو گیا کہ خدائے قدیر کی مشیت یہی ہے کہ اب وہ کسی نبی و رسول کو نہ بھیجے گا۔

جب پیدا کرنے والا اور منصب نبوت و رسالت پر فائز کرنے والا خود فرما دے کہ یہ خاتم "آخری نبی" ہیں تو اب کسی کو یہ ٹھیکیداری کہاں سے مل گئی کہ وہ یہ کہہ سکے کہ "محمد جیسے کروڑوں محمد پیدا کر لے" جس کے صریح و کھلے ہوئے معنی یہ ہوتے ہیں گویا وہ اپنے کہے ہوئے کے خلاف کرے گا۔ اور اس سے کذب باری لازم آئیگا جو یقیناً محال ہے۔

جب یہ محال ہوا تو اب سید المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا پیدا ہونا محالات سے ہے۔ لہٰذا ثابت یہی ہوا کہ مسئلہ امتناع النظیر درست ہے۔ اور سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ممکن النظیر نہیں بلکہ ممتنع النظیر ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ:۔ اس شبہ کا امکان ہے شاید کوئی یہ کہہ کر گذرنا چاہے کہ اگر خاتم النبیین سے ختم نبوت ذاتی مراد لیا تو اسے تحریف بالمعنی کیوں قرار دیا۔ جبکہ اس معنی سے آیت کا مفہوم اور بھی بلند ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ بعض غلط اندیش کہتے بھی ہیں۔

واضح رہے کہ نزول قرآن سے لے کر ہر قرن و ہر زمانے میں اس بات کا یہی مفہوم سمجھا گیا۔ اور آج تک صرف یہی مفہوم مراد ہے گویا اس معنی کی قطعیت پر اجماع ہو چکا ہے اس لئے قرآن کے کسی

بھی قطعی واجماعی مفہوم سے جب بھی انکار لازم آئے گا تو اسے تحریف بالمعنی ہی کہا جائیگا جسکی قباحت آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ لہٰذا "گاہ باشد کودکے ناداں" کے ظاہری تواضع اور بے محل خاکساری سے کوئی بھی "قرآن مجید" کو اپنی جولانگاہ یا جودت طبع کا اکھاڑہ بنانا چاہے تو یقیناً اس سے محاسبہ کیا جائیگا۔ ایسی صورت میں مجرم کو مجرم اور محاسب کو حق بجانب سمجھا جائے گا۔ مفہوم و معنی کے بے محل بلندی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آیت کے اجماعی و قطعی مفہوم کو مجروح کر دیا جائے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

بہر حال مجھے کہنا ہے کہ ختم نبوت اسلام کا ایک بنیادی مسئلہ ہے۔ لہٰذا وہ قادیان کی سرزمین ہو یا حیدرآباد کی تحذیر الناس کی عبارت ہو یا تقویۃ الایمان کی۔ غرضیکہ اس آہنی دیوار سے جو بھی سر ٹکرائے گا، اس کا چکنا چور ہونا یقینی ہے۔

بمبئی اور جنوبی ہند میں صدیق دیندار چن بسویشور کے نئے مذہب کی اشاعت کا زور بڑھتا جا رہا ہے۔ دھیرے دھیرے ان کے مبلغین اپنی آمد و رفت کے لئے بمبئی کو اپنا ہیڈ کوارٹر بناتے جا رہے ہیں۔ اور آہستہ آہستہ ان کے قدم بھی مضبوط ہوتے جا رہے ہیں۔ چنانچہ حضور مفتی اعظم کی خواہش کے بعد یہی وہ داعیہ ہے جس نے مجھے قلم اٹھانے پر مجبور کیا۔

دوستو! دیندار ٹولی قادیانیت ہی کی بر اپخ ہے۔ اور دونوں ایک ہی تھیلے کے چٹے بٹے ہیں چونکہ قادیانیت بساط مذہب و سیاست کا ایک پٹا ہوا مہرہ ہے اور عوام میں اس سے نفرت و بیزاری کا جذبہ ابھر چکا ہے۔ اس لئے اس جماعت کے موسس و بانی

صدیق دیندار غلام احمد قادیانی کی نیابت و خلافت کا اعلان تو نہ کر سکے لیکن ان کی تعلیمات کا اکثر و بیشتر حصہ غلام احمد ہی کے لٹریچر کا مستعار و مستفاد ہے جیسا کہ آپ اس کتاب کے صفحات پر حوالہ جات کی فہرست میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

اگر ان کے جملہ خرافات و بکواس کو اکٹھا کیا جائے تو کئی جلدوں کی ایک ضخیم کتاب ہو جائیگی۔ میں نے "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر چند اقتباسات پر ہلکا پھلکا سا تبصرہ کر دیا ہے۔ اگر اہل ذوق من وعن اس کا مطالعہ کر لیں گے تو امید ہے کہ وہ جماعت کے زہریلے جراثیم سے اچھی طرح مطلع ہو جائیں گے۔ اور ان کی مشینری کے کل پرزہ بننا تو درکنار اپنے اوپر ان کی پرچھائیں تک نہ پڑنے دیں گے۔ اب کتاب کی ایک ایک سطر آپ کی نظروں کے سامنے ہے۔ بس میرا التماس آپ سے اتنا ہی ہے کہ کتاب کو ادھوری نہیں بلکہ مکمل دیکھی جائے پھر حوالہ جات کی روشنی میں خود اس کا فیصلہ کیجئے کہ دیندار انجمن نے اسلام کی کوئی خدمت انجام دی ہے یا شجر اسلام پر تیشہ زنی کی ہے۔

میرا یقین و اعتماد اس امر کی گواہی دے رہا ہے کہ ہر انصاف پسند مطالعہ کے بعد نام نہاد دینداروں سے نفرت اور گھن محسوس کریگا۔

آپ کتاب کے عام مضامین میں خشکی تو ضرور محسوس کریں گے اسلئے کہ نہ تو اس میں زبان و ادب کا کوئی چٹخارہ ہے اور نہ ہی دل آویز مضامین کی چاشنی۔ ان کی منتشر عبارات پر جچا تلا تبصرہ ہے۔ اپنی طرف سے نہ کوئی اضافہ ہے نہ کتر بیونت۔ حوالہ جات کے تحت بطور اشارہ و تفہیم چند اشارے کر دیئے گئے ہیں حالانکہ بہت سی عبارات پر اس کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ محض اپنے فریضہ سے سبکدوش ہونے کی خاطر میں نے اپنی دانست

کے مطابق جہاں مناسب سمجھا اس پر نوٹ لگا دیا۔ میں نے اس وقت کا ایک عظیم فتنہ تصور کیا اس لئے ہر چند مصروف ہونے کے باوجود دیندار کے جارحانہ حملہ کی مدافعت کی خاطر اس کی تالیف و ترتیب میں لگ گیا۔

اگر کچھ لوگوں نے بھی ہدایت پائی تو میں اسے اپنی سعادت و نجات کا باعث سمجھوں گا۔ میں نے دیندار جماعت کے بعض سرگرم مبلغین کو جب دوڑتے دھوپتے دیکھا تو ان کے حال پر اور بھی زیادہ ترس آیا۔ محض یہ سوچ کر خدا جانے انھوں نے جماعت کا لٹریچر بھی دیکھا ہے یا نہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ روزہ نماز، سیرت و غزوات کا سبز باغ دکھا کر انھیں اپنی طرف مائل کر لیا ہو۔ اور یہ غریب ناآشنائے حقیقت محض دین کا کام سمجھ کر رات دن ایک کئے دیتے ہیں۔ اسلئے اور بھی زیادہ اس ارادے نے اپنی جڑ کو مضبوط پکڑ لیا۔

میری نظر میں میری اس محنت کا صحیح ثمرہ یہی ہے کہ جماعت کے وہ مبلغین جنھیں اندھیرے میں رکھا گیا ہو اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ان کی آنکھوں کی پٹی کھل جائے تاکہ وہ شہد و زہر، دودھ اور پانی کو اپنے ماتھے کی آنکھ سے دیکھ سکیں۔

اگر یہ کتاب دیندار انجمن کے مبلغین کے کلیجے میں اتر گئی۔ اور انھوں نے اپنی دوڑ دھوپ کا رخ "سنّی تبلیغی جماعت" کی طرف موڑ دیا تو میں اسے اپنے اور ان کے حق میں خدائے قدیر کی تائید غیبی سمجھوں گا اور یہ اس کی قدرت میں ہے کہ وہ بھولے بھٹکوں کو صراط مستقیم کی دولت بے بہا سے مالا مال کر دے۔

رب کریم میری اس حقیر کوشش کو سرچشمۂ رشد و ہدایت بنائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

۴

امام احمد رضا جیسی عبقری شخصیت کے خلاف قلم اٹھانا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ اخلاق حسین قاسمی جیسا کم علم انسان، اعلیٰ حضرت کے علم کو چیلنج کرے تو یہ آسمان پر تھوکنے کے مترادف ہے۔

جب اخلاق حسین قاسمی نے "بریلوی ترجمۂ قرآن کا علمی تجزیہ" نامی کتاب لکھا اور ملک کے مختلف گوشوں میں پھیلانے لگے تو پاسبانِ ملّت نے اس کتاب کے جواب میں قلم اٹھایا اور برجستہ ایک مضمون لکھ کر رسالہ پاسبان کے حوالہ کیا۔ قلم کی جولانی قابل صد تحسین ہے۔

اس مضمون کا

ایک گوشہ

ملاحظہ فرمائیے:

سیدنا امام احمد رضا

وحید عصر، فرید دہر، یگانۂ روزگار، نادر الوجود عبقری شخصیت کا نام اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ جسے بیک وقت پچاس سے زائد علوم پر مہارت تامہ حاصل تھی۔ تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم کلام معانی و بیان، علم المیراث، لغات، گرامر، علم توقیت، علم جفر، منطق و فلسفہ، علم ہیأت ریاضی وغیرہ پر ایسی مضبوط گرفت حاصل تھی۔ کہ ان کے اصول تو اصول، جزئیات بھی ان کی گرفت سے باہر نہ تھے۔ ایسی نادر الوجود شخصیت صدیوں بعد منصۂ شہود پر آتی ہے۔

امام احمد رضا اندھوں میں کانا راجہ نہیں تھے۔ ایک ایسے وقت میں آسمان علم و حکمت پر یہ آفتاب روشن ہوا جبکہ اغیار کے نہ جانے کتنے نام نہاد چراغ بقول ان کے جل رہے تھے۔ لیکن اس آفتاب کے روشن ہوتے ہی وہ سارے چراغ بجھ گئے یا مدھم ہو گئے۔ اور پردۂ تاریکی میں ایسے گمنام ہوئے کہ اہل علم کی دنیا میں ان کا کوئی نام لیوا تک نہ رہ گیا۔ یہ اور بات ہے کہ پریس کے پروپیگنڈے تک ان کا نام زندہ ہے۔ دانشوروں کی اصطلاح میں یہ اس کی زندگی نہیں شہرت و اقتدار کا چلتا پھرتا جنازہ ہے۔

امام احمد رضا جیسی قدآور شخصیت کے سامنے گھٹنے ٹیک

دیئے اور بہت سے فقہی مسائل میں انھیں منھ کی کھانی پڑی۔ آج کنزالایمان کا مسئلہ یہ کسی علمی تحقیق و کاوش کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ پرانی خلش اور جلاپے کا نتیجہ ہے۔

ہندی علماء کی لگائی بجھائی

سات خلیجی عرب ممالک جو ترجمہ کنزالایمان پر پابندی لگانا چاہتے ہیں اس سلسلہ میں دانشوروں کو دعوت غور وفکر دیتا ہوں۔ تاریخی واقعات وحقائق کی روشنی میں انھیں فیصلہ کرنا ہے۔

وہ عرب جن کا تعیش اب ڈھکا چھپا نہیں رہ گیا، کوئی فکری ونظری مسئلہ نہیں، بلکہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔ جیسے تلاوت قرآن مجید کی فرصت نہیں بھلا وہ ترجمہ کی زحمت کیوں اٹھاتے! اور اگر ترجمہ دیکھنا بھی ہوگا تو وہ اہل زبان ہیں وہ مصری، مکی، مدنی، علماء کے تراجم سے استفادہ کریں گے ناکہ ہندی علماء سے۔

ادارہ مؤتمر عالم اسلامی کے ممبران میں مولانا ابوالحسن علی، مولانا منظور احمد نعمانی، مولانا سعید احمد اکبرآبادی، مولانا منت اللہ رحمانی، مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری وغیرہ سبھی ہیں۔

ہندوستان کی فیلڈ میں تو انھیں ہر جگہ شکست وہزیمت کا منھ دیکھنا پڑا۔ مناظرے کے ہر میدان میں چاروں شانہ چت نظر آئے۔ ایک منظم سازش کے تحت یہ دور کی کوڑی کہ اب مناظرے کا میدان اور موضوع دونوں بدل دیا جائے۔ چنانچہ "دہائی سرکار کی" کے تحت سعودیہ یہ سمجھے کہ ہندوستان میں تو سنیوں نے ہمارا کس بل ڈھیلا کر دیا۔ ہم ہر میدان میں ان سے شکست کھاچکے۔ چنانچہ حضور

سیدی سرکار مجاہد ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی صدارت کا آخری مناظرہ بجرڈیہ بنارس کا ہے۔ مناظرہ تحریری تھا۔ یہ میرے سرکار کا کرم تھا کہ آخری تاریخ کی صدارت مجھ نااہل و ناکارہ کے سپرد فرمائی۔ اور مائک پر باضابطہ اعلان فرمایا کہ اب میں صدارت اپنی علالت کے سبب عزیزی مولوی مشتاق کو سونپتا ہوں۔ اس کا کہنا میرا کہنا ہوگا وغیرہ وغیرہ ساری باتیں فرمائیں۔ یہ حضرت کا کرم ہی کرم تھا ورنہ میں کہاں اور یہ منصب کہاں۔ مگر خدا کا شکر ہے اور میرے مجاہد ملت کی دعا کہ اسی اثنا میں انھیں دوبارہ اپنا صدر بدلنا پڑا۔ اشبر منھ سے نکل کر نکل آیا۔ بدن میں رعشہ اور ہونٹوں پہ کپکپی آگئی۔ خداوند قدوس ہم میں مجاہد ملت کے امثال پیدا فرمائے۔ آمین۔

کہنا یہ ہے کہ میدان مناظرہ کے شکست خوردہ اب کسی طرح اپنے منھ کی کالک دھونا چاہتے ہیں۔ اسلئے ترجمہ کنز الایمان کو اچھالا جارہا ہے۔ چنانچہ موقع کو غنیمت جان کر مولوی اخلاق حسین قاسمی میدان میں اتر آئے اور بریلوی ترجمۂ قرآن کا علمی تجزیہ' نامی کتاب جو گھاس بھوسہ سے بھری ہے اسے چھاپ بھی ڈالا۔

اب لگے ہاتھوں اس کتاب سے متعلق دو ایک پیراگراف ملاحظہ فرمائیں۔ پاسبان جنوری فروری کا قسط دوم ملاحظہ فرمائیں۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار تم سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

ابھی چند مہینوں پیشتر اخباری اطلاعات کے بنیاد پر سات خلیجی عرب ممالک ترجمہ کنز الایمان کو اپنے حدود مملکت میں داخلہ پر پابندی لگانے والے ہیں۔ بڑی لے دے مچی تھی۔ دیوبند کا بچہ بچہ

لنگوٹ باندھ کر میدان میں اتر آیا تھا، پروپیگنڈے، ہینڈبل، اشتہارات پوسٹر، اخبارات سبھی کو استعمال کیا گیا انھیں اس وقت اخراجات کی فکر و پرواہ ہی کیا جبکہ سعودی ڈالر کے گود میں پرورش پا رہے ہیں ٹھیک اس وقت جب کہ اس سلسلے میں بمبئی کی فضا بہت ہی گرم تھی میں کاٹھیاواڑ کے پروگرام سے بمبئی واپس آیا۔ میرے پہونچنے کی اطلاع پاکر رضا اکیڈمی کے چند مخلص احباب میری قیام گاہ پر تشریف لائے جن میں مولانا سراج اظہر، عزیزم محمد سعید رضوی اور برادرم یوسف منہار خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ان لوگوں نے بڑے اضمحلال اور دکھ و درد کے ساتھ اس سانحہ کا ذکر کیا۔ اور فطری طور پر مجھے بھی اس تشویشناک خبر سے متاثر ہونا چاہئے تھا۔ لیکن میرے امام اعلیٰ حضرت نے میری دستگیری کی۔ اور میرے چہرے پر شکن تک نہ آئی۔

میں نے مسرت آمیز لہجے میں کہا کہ ان حوادث اور تند و تیز ہواؤں کو اپنے وقت کی قیامت صغریٰ کہہ لیجئے مگر نتیجے میں فتح و نصرت، کامیابی و کامرانی ہمارے ہی ہاتھ ہے۔ اور میں تو اسے اعلیٰ حضرت کی کرامت سے تعبیر کرتا ہوں۔ جن لوگوں نے اب تک کنزالایمان کو نہ دیکھا ہوگا اس بہانے وہ بھی دیکھیں گے۔ اور صاحب بصیرت، اہل علم و اہل ذوق کو لپک پیدا ہوگی۔ سستی شہرت کمانے والے ایسے واقعات کی تاک گھات میں خاموش بیٹھے رہتے ہیں اور موقع پاتے ہی برساتی مینڈک کی طرح ٹرٹائیں ٹرٹائیں کرتے ہوئے اپنی اصل جگہ چھوڑ کر انسانوں کی محفل میں اچھل کود کرنے لگتے ہیں۔

بس ایسا ہی کچھ حال مولانا اخلاق حسین قاسمی کا بھی ہے۔

انھوں نے بھی موقع کو غنیمت جان کر کہ اسے ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے۔ ٹرٹائیں ٹرٹائیں کرتے ہوئے میدان میں آگئے۔ اور بریلوی ترجمۂ قرآن کا علمی تجزیہ نامی کتاب شائع کر دی۔ مگر دیکھنے سے ایسا محسوس ہوا کہ اونچی دوکان پھیکا پکوان۔ یا نام بڑا درشن چھوٹا۔ اسکے سوا اس کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ اگر اس طرح کی سطحی وغیر سطحی کتاب کو علمی تجزیہ کہا گیا تو اہل علم کو گوشہ نشیں ہوجانا چاہیئے۔

اب آئیے اور قاسمی صاحب کا علمی تجزیہ۔ ملاحظہ فرمائیے:

قاسمی صاحب سیدنا امام احمد رضا کا ایک مصرع نقل کرکے اس پر تبصرہ کرتے ہیں وہ مصرع یہ ہے:

ع قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی

اب تبصرہ ملاحظہ فرمائیے:-

"مولانا کے اس مصرع سے یہ حقیقت واضح ہے کہ مولانا بریلوی کا اصلی مذاق نعت گوئی تھا۔ اور انھیں قرآن کریم جیسی کتاب حقائق سے وہی چیز ملی جس کے وہ اہل تھے"۔ چند سطر بعد "مولانا احمد رضا خاں صاحب ایک صاحب کمال نعت گو شاعر تھے۔ مرحوم نے اپنے اسی فطری ذوق کے ساتھ قرآن کریم کا مطالعہ کیا۔ اور انھیں اپنی طلب کے مطابق اسی ذوق کی غذا مل گئی۔"

قاسمی صاحب اپنے تبصرے میں یہ تاثر اور ذہن دینا چاہتے ہیں کہ امام احمد رضا کو قرآن سے نعت گوئی کے سوا اور کچھ بھی ہاتھ نہیں آیا۔ حالانکہ اگر وہ غور وفکر سے کام لیتے تو اتنی سطحیت پر نہ اُترآتے لیکن برا ہو اس عناد کا جو حقائق پر پردہ ڈال دے۔ امام احمد رضا

نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے قرآن سے نعت گوئی ہی سیکھی۔ بلکہ یہ فرماتے
ہیں کہ میں نے قرآن سے نعت گوئی سیکھی۔ عربی درسگاہ کا مبتدی طالبعلم
بھی یہ جانتا ہے کہ حصر اور غیر حصر میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اگر قاسمی صاحب
نے سمجھ بوجھ کر سورۂ فاتحہ کی تلاوت کی ہوتی اور اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ
اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ پر گہری نگاہ ہوتی تو وہ ایسی نادر جسارت ہرگز
نہ کرتے۔ اسے تو معمولی درجہ کے بھی تعلیم یافتہ جانتے ہیں کہ فعل مقدم
ہوتا ہے اور فاعل و مفعول مؤخر۔ گرامر کی رو سے ہونا چاہیئے تھا
نعبد ایاك جس کا ترجمہ ہوگا ہم تیری عبادت کریں۔
لیکن ایک دوسرا ضابطہ یہ ہے تقدیم ما حقہ التاخیر
یفید الحصر یعنی جس کا حق مؤخر ہونا ہے اگر اسے مقدم کر دیا جائے
تو حصر کا فائدہ دے گا۔ لہٰذا اب ایاک نعبد کا ترجمہ یہ ہوگا کہ ہم تیری
ہی عبادت کریں۔ اسمیں شبہ اور امکان ہے کہ دوسرے کی بھی عبادت کرتا
ہے لیکن جب یہ کہہ دیا گیا کہ ہم تیری ہی عبادت کریں تو سب کی نفی ہو گئی۔
ایک ہی "ہی" کے ہونے اور نہ ہونے سے ترجمہ اور مفہوم میں کتنا فرق ہو گیا
بس ایسے ہی امام احمد رضا نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے قرآن سے نعت گوئی
ہی سیکھی بلکہ قرآن سے نعت گوئی سیکھی۔ جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ جناب
میں نے قرآن سے بے شمار علوم و معارف حاصل کئے وہیں ذیلی طور پر میں
نے نعت گوئی بھی سیکھی۔

۵

علمائے دیوبند نے جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کو بچوں، پاگلوں، اور چوپایوں سے تشبیہ دینا شروع کیا۔ میلاد کی محفل کو کنھیا کا سوانگ بھرنا کہنے لگے، سلام و قیام کے خلاف فتوے دیئے،

تو

پاسبانِ ملّت علیہ الرحمۃ نے اس کے جواب میں ایک معرکۃ الآرا جواب دیا جو پیش ہے:

علمِ غیب، میلاد، سلام و قیام

علمِ غیب: نہ پوچھئے وقت کے فتنہ ساما نیوں کا عالم
مسئلۂ علمِ غیب بھی اختلافات کی لسٹ میں سرِ فہرست ہے
ہم اہلسنّت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ پروردگارِ عالم نے اپنے محبوب سرورِ کونین روحی فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو غیب کا علم عطا فرمایا ہے مگر اسی کے ساتھ حدود و ادب میں رہتے ہوئے اس کا بھی اظہار کرتے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی ترازو و پیمانہ نہیں جس میں سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علم مبارک کو تولا جاسکے۔ بس اس بارے میں ہمارا آخری فیصلہ یہ ہے کہ دینے والا پروردگار جانے یا لینے والے احمد مختار۔ سرورِ کونین یہ جانتے تھے اور وہ نہ جانتے تھے اس کہنے کو ہم گستاخی و بے ادبی تصور کرتے ہیں۔ گویا چھوٹا منہ اور بڑی بات۔

اور اسی کے ساتھ ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ پیغمبر خدا کا علم ہمیں معلوم ہو یا نہ معلوم۔ اور یقیناً نہیں معلوم لیکن وہ علم خواہ کتنا ہی وسیع ہو وہ سب خدا ہی کا دیا ہوا ہے۔ اس لئے بطور نتیجہ ہم یہ کہتے ہیں کہ خدا کا علم ذاتی ہے اور سرکارِ دوعالم کا عطائی ہے۔ چنانچہ ہم خدا کو عالم الغیب کہتے ہیں اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمِ غیب ہمارے پاس اس عقیدے پر آیاتِ قرآنی و احادیثِ نبوی شاہدِ عدل

ہیں۔ مثلاً وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (اور تمھیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے) سورۂ نساء پ۵ رکوع ۱۷۔

ایسے ہی دوسری جگہ ارشاد ہوا وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ۔ (اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں) سورۂ کورت ع

تیسری جگہ ارشاد ہے عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (سورہ جن رکوع ۲۴) غیب کا جاننے والا تو اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے)

ایسے ہی علمِ غیب کے ثبوت میں بہت سی احادیث ہیں جن کو گھیرا جائے تو ایک دفتر چاہیئے۔ قرآن کریم کی چند شہادتیں اس لئے حاضر کر دی گئیں تاکہ قلب و ذہن کا اطمینان حاصل ہو جائے۔

علمِ غیب سے متعلق منکرین علم غیب کے متعدد اقوال ہیں جن میں بے حد تخالف و تضاد ہے۔ کسی کا کہنا ہے رسول خدا کو علم غیب نہیں تھا کسی نے کہا کہ اگر خدا کے دینے سے بھی رسول خدا کو علم غیب مانا جائے تو بھی شرک ہے۔ کسی نے لکھا کہ سرور کونین کو دیوار کے پیچھے کی بھی خبر نہیں تھی۔ اور مولانا تھانوی نے تو یہاں تک لکھ دیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ" پیغمبر اسلام کو کل علم غیب نہیں تھا بلکہ تھوڑا سا تھا۔ اور اگر بعض علوم غیبیہ حاصل ہیں تو پھر اس میں رسول اللہ ہی کی کیا تخصیص ایسا علم تو ہر جانور، پاگل، بچے سبھی کو حاصل ہیں۔ العیاذ باللہ من ذالک۔

یہی وہ ناپاک اور گندہ تصور رہے جس پر آئے دن مباحثے اور مناظرے ہوتے رہتے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بات واضح رہے کہ قرآن مجید

کی وہ آیات جن سے علم غیب کا انکار ہوتا ہے اس سے مراد علم غیب ذاتی ہے یعنی خدا کے سوا کسی کو بھی علم غیب ذاتی نہیں ہے اور وہ آیات قرآنی جن سے علم غیب کا ثبوت ہوتا ہے اس سے مراد علم غیب عطائی ہے۔

حیرت ہے اس قوم پر جو انبیاء سابقین کے لئے تو علم غیب مانتی ہے مگر اپنے نبی کے متعلق جنگ و جدال کرتی ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح فرماتے ہیں:

انبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم۔ میں تمھیں بتاؤں گا جو تم لوگ کھا کے آتے ہو اور گھر میں جو کچھ جمع کر کے آتے ہو۔

آج تک دیوبند نے اس کے خلاف کوئی احتجاج نہیں کیا۔ کہ غیب کا جاننا اور بتانا تو خدا ہی کی شان ہے یہ حضرت مسیح کو کیسے خبر ہو گی۔؟

ہم انصاف پسند دنیا سے سوال کرتے ہیں کہ آج کے وہ کلمہ گو جو اپنے نبی کا علم غیب ماننا شرک سمجھتے ہیں وہ حضرت مسیح کے علم غیب پر ایمان لانے کے بعد کس طرح موحد رہ گئے۔؟ کلمہ اور نماز کی آڑ میں کہیں ایسا تو نہیں عیسائی مشینری کی ایجنسی "دلالی" کا پارٹ ادا کیا جا رہا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

میلاد، سلام، قیام:

میلاد شریف کو ہم اہل سنت غلاموں کی طرف سے اپنے آقا کی بارگاہ میں خراج عقیدت تصور کرتے ہیں نہ تو اسے ہم فرض کہتے ہیں اور نہ واجب۔ ہم اسے مہمات دین میں شمار نہیں کرتے۔ البتہ ایوانِ اسلام کے یہ وہ نقش و نگار ہیں جس کو دیکھ کر ایک اجنبی آنکھ بھی یقین

کر لیتی ہے کہ کسی خوش عقیدہ کی زینت لگاہ ہے۔ کسی عمارت کا پرچم اس عمارت کا جز نہیں ہوتا لیکن یہ جھنڈا بہت دور سے خبردار کر دیتا ہے کہ اسمیں کسی مکتبہ فکر کا نظام حیات مرتب ہوتا ہے۔

قرآن حکیم میں پروردگار عالم نے بار بار اپنے محبوب کے میلاد کا ذکر فرمایا ہے سرکار کی آمد سے پیشتر حضرت مسیح نے بشارت دی تھی۔ یاتی من بعدی اسمہ احمد۔ میلاد شریف ایک ذکر خیر ہے جس کے ذریعے مسلمانوں کو طہارت نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ وغیرہ کے مسائل معلوم ہو جاتے ہیں! ایسے ہی عمل صالح کی تلقین کی جاتی ہے اور برائیوں سے اجتناب و پرہیز کی ہدایت ایک ایسا کار خیر جو عام مسلمانوں کے رشد و ہدایت کا ایک روشن مینارہ ہے۔ اسے کنہیا کے جنم کا سوانگ کہہ کر اس سے نفرت و برگشتگی کی ایک مسموم فضا پیدا کرنا یہ اسلام دشمنی نہیں تو اور کیا ہے؟

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ جو اکابر دیو بند کے پیر و مرشد ہیں اس مسئلہ میں ان کی کتاب "فیصلہ ہفت مسئلہ"، ایک نہ جھٹلائی جاسکنے والی دستاویز ہے۔ جس فیصلے کے روبرو پوری دنیائے دیو بندیت مجرموں کے کٹہرے میں کھڑی کر دی گئی۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے میلاد، سلام و قیام، عرس و فاتحہ وغیرہ سے متعلق سات سوالات کئے گئے تھے جس کا جواب فیصلہ ہفت مسئلہ کے نام سے چھپ چکا ہے۔

حاجی صاحب فرماتے ہیں: جس کا مفہوم یہ ہے:

"فقیر کا مشرب یہ ہے کہ محفل مولود میں شریک ہوتا ہے۔ اور ذریعۂ برکات سمجھ کر مولود منعقد کرتا ہے اور کھڑے ہو کر سلام پڑھنے میں کیف و لذت محسوس کرتا ہے۔"

پیر و مرشد کے اس فیصلے کے بعد دیوبندیوں کی زبان گدی سے کھینچ لی گئی ہے۔

اب اس کے خلاف ان کی جس قدر بھی بکواس ہے وہ کھسیانی بلی کھمبا نوچے کی آئینہ دار ہے۔

حاجی صاحب کے اس فیصلے میں سلام و قیام کی حقیقت بھی روشن ہو گئی۔ وہ محفل مولود میں محض سلام پڑھنے کے قائل نہ تھے۔ بلکہ کھڑے ہو کر سلام پڑھتے، میلاد شریف میں سلام و قیام حاجی صاحب کا ایک ایسا عمل ہے جو "خلف" دُنا خلف، کی کسوٹی بن گیا ہے۔ علاوہ ازیں آیت درود میں نتھو بدھو خیرو کو درود و سلام پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ ایمان والوں کی قید لگی ہے جس قید نے واضح کر دیا کہ جو مومن ہو گا وہ بغیر کسی قیل و قال کے صلوٰۃ و سلام پڑھے گا۔ چونکہ غیر مومن خود ہی جانتا ہے کہ مجھے حکم ہی نہیں دیا گیا۔ اس لئے اس کے صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا سوال بھی نہیں تو اس کا انکار خود اس کی پوزیشن واضح کر دی کہ وہ اس حکم کا مخاطب ہی نہیں رہ گیا۔ قیام چونکہ "سلّموا" کے ساتھ "تسلیما"، اس کا مفعول مطلق بطور تاکید لایا گیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ صرف سلام ہی نہ بھیجو بلکہ ایسا سلام جو ان کی شان کے لائق ہو۔

لہٰذا لیٹے بیٹھے کھڑے ہونے میں قیام ہی ایک ایسی کیفیت ہے جس میں احترام و عظمت کا عملاً اظہار ہوتا ہے۔ اس لئے قرآن مجید کی رعایت کرتے ہوئے اہلسنت و جماعت نے قیام جو مباح تھا اسے مستحب و مستحسن قرار دیا۔ تاکہ "تسلیما"، کی قید پر عمل درآمد ہو جائے جو اظہار عظمت کا ایک ذریعہ ہے علاوہ ازیں قرآن میں جہاں سلام

پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لئے لیٹنے بیٹھے کھڑے ہونے کی کوئی قید نہیں ہے جس کا ظاہر اور واضح مفہوم یہی ہے کہ سلام پڑھنے والے کو اختیار ہے وہ جس طرح چاہے پڑھے۔ قرآن کے اس دیئے ہوئے اختیار پر اب پہرہ بٹھانے والا کون ہے کہ کھڑے ہو کر سلام نہ پڑھا جائے

اصول فقہ کا دستور ہمارے حریف کو بھی مسلم ہے " اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ جس کی حلت و حرمت جواز و عدم جواز سے متعلق شریعت کی زبان خاموش ہے وہ اپنے اصل میں مباح ہے۔ قیام جیسی مباح شے کو روکنا گویا شرعی امور میں اپنی غاصبانہ ٹھیکیداری کو رواج دینا ہے۔ فقہائے کرام نے بھی اس کی صراحت کی ہے۔ اگر مباح جیسی چیزوں کے مانعین پیدا ہو جائیں تو اس کی حیثیت مباح ہی کی نہیں رہ جاتی۔ بلکہ وہ واجب کے حدوں کو چھو لیتی ہے۔ گویا اس کی حیثیت اگر واجب کی نہیں تو کالواجب کی ہو جاتی ہے۔ رہ گیا قیام کو رد کرنے کے لئے جو علمائے دیوبند کی حیلہ تراشیاں ہیں الزام و اتہام کی ان تمام گندگیوں سے اہلسنت کا دامن بالکل بے غبار ہے۔ اپنے اعمال و افعال کی تشریح و ضاحت کے ذمہ دار ہم ہیں نہ کہ آں جناب ہمارے عمائد و اساطین کی کتابوں میں اگر کتاب و سنّت کے خلاف کچھ آپ کو مل گیا ہو۔ (العیاذ باللہ من ذالک۔) تو اسے قوم کی عدالت میں پیش کیجئے۔ البتہ اپنے تصورات کی بنیاد پر ہمارا محل اٹھانے کی کوشش نہ کیجئے۔

قرآن نے ہمیں سلام پڑھنے کا حکم دیا ہے اور کیفیت ہم پر چھوڑ دی ہے۔ لہٰذا اگر قرآن کی کوئی ایسی آیت آپ کو مل گئی جسمیں قیام کی ممانعت ہو تو ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین۔

اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اس کی دلیل پیش کرو۔

عجب کچھ پھیر میں ہے سینے والا جیب و داماں کا
جو یہ ٹانکا وہ اُدھڑا جو وہ ادھڑا تو یہ ٹانکا

اسی طرح عرس و فاتحہ سے متعلق بھی حاجی امداد اللہ صاحب نے مسلک اہلسنت ہی کی تائید و حمایت فرمائی ہے چونکہ اختصار پیش نظر ہے اس لئے میں ناظرین سے یہ کہہ کر رخصت ہو جانا چاہتا ہوں، ہر چند عرس و فاتحہ، میلاد و سلام جیسے فروعی مسائل میں اہلسنت کی متعدد و مستند اور معتبر کتابوں میں قرآن و سنت و اقوال ائمہ سے ان مسائل کو مبرہن اور مدلل کیا گیا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ قہر آسمانی جلد دوم میں یہ مسائل زیر مباحث آئیں گے۔ اور قہر آسمانی جلد دوم اپنی نوعیت کی ایک ممتاز و منفرد کتاب ہو گی۔ جن میں ان مسائل کے ایک ایک گوشے کو حل کرنے کی بھرپور کوشش کی جائیگی۔ واضح رہے دیوبند سے ہمارا بنیادی اختلاف میلاد و سلام کا نہیں ہے بلکہ علمائے دیوبند توہین نبوت کے مجرم ہیں۔ لہٰذا سر فہرست ان سے یہ مطالبہ نہیں ہے کہ وہ عرس و فاتحہ کے قائل ہو جائیں۔ بلکہ آقائے دوجہاں روحی فداہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خلاف جو زہر افشانی کی ہے اس سے رجوع و توبہ کر لیں۔ الاہم فالاہم کے تحت جب وہ ان منزلوں سے گذر جائیں گے تو میلاد و سلام کے لئے خود ہی دل میں جگہ بن جائیگی۔

پہلے توہین نبوت سے دل کا زنگ دور کیا جائے پھر عشق کا ہاتھ آگے بڑھ کر خود ہی صیقل کر دے گا۔

اخلاق و اوصاف

فرشتے سر جھکائیں تیرے سجدے کو تواضع سے
سن اے مٹی کے پتلے، آدمیت ہو تو ایسی ہو

اخلاق و اوصاف

انسان بظاہر گوشت پوست کا ڈھانچہ نظر آتا ہے مگر اس کی زندگی کا اصل جوہر اچھے عادات و اطوار ہوتے ہیں۔ حضرت پاسبانِ ملت کی پیدائش ایک زمین دار کے گھرانے میں ہوئی۔ دولت کی فراوانی اکثر بگاڑ دیتی ہے مگر آپ کے والد ایک بزرگ صفت انسان تھے ان کی یہ تمنا تھی کہ میرا بیٹا عالم دین ہو کر مذہب و ملت کی خدمت کرے گا۔ ان کی تمناؤں کا یہ ثمرہ دیکھنے کو ملا۔ کہ حضرت پاسبان ملت بریلویت اور سنیت کے لئے معیار بن گئے۔

شکل و شمائل قد بلند و بالا، پیشانی چوڑی، آنکھیں بڑی اور چمکدار ناک اونچی، دہانہ مناسب، چہرہ قدرے لمبا گولائی لئے ہوئے، رنگ گورا، ہاتھوں کی انگلیاں لمبی، بھویں گھنی، گردن اونچی، سر کے بال نہ زیادہ لمبے نہ زیادہ چھوٹے۔ مونچھیں پست اور داڑھی لمبی۔

طعام دسترخوان پر جب بھی بیٹھتے تو تنہا نہ بیٹھتے۔ ایک جماعت ہوتی، سنت رسول صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری

پابندی کی جاتی ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دودھ کا ایک پیالہ پیش کیا گیا ۔ آپ نے اسے اپنے دست مبارک میں لیا اور صحابہ میں تقسیم فرما دیا اور جو کچھ بچ رہا اسے خود پی لیا ۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دودھ کے پیالہ کو پہلے آپ نے خود کیوں نہیں نوش فرمایا ۔ آپ نے فرمایا ایسا نہیں چاہیئے ۔

ساقی القوم آخرھم شربًا ۔ قوم کو پلانے والا آخر میں پیتا ہے ۔

اس حدیث پاک کی عملی تفسیر حضرت پاسبان ملت کے دسترخوان پر ہر کھانے کے وقت دیکھنے کو ملتا تھا ۔ حضرت ہمیشہ پہلے دوسروں کو اپنے ہاتھ سے کھانا چلتے ۔ پھر آخر میں خود اپنی پلیٹ میں رکھتے ۔ اور دسترخوان کا یہ مظاہرہ پورے خلوص کے ساتھ ہوتا یعنی جتنی لذیذ چیزیں ہوتیں وافر مقدار میں دوسروں کی پلیٹ میں ڈالتے اور اپنی پلیٹ میں عام طور سے دال روٹی یا چاول اور مختصر سالن رکھتے ۔ یہ آپ کا روزمرہ کا تھا ۔ کھانے میں بہت لذیذ غذا کے آپ شوقین نہیں تھے نفیس غذا چاہیئے ۔ اس طرح کا معمول حضر ہی میں نہیں تھا ۔ بلکہ سفر میں اگر آپ ٹرین سے سفر کر رہے ہوتے تو وہاں بھی جتنے رفقاء و خدام شریک سفر رہتے سب کے ساتھ یہی برتاؤ کرتے ۔ کہ پہلے دوسروں کی پلیٹ میں خود سے کھانا ترتیب دیتے ۔ جب سب کے پاس کھانے کی پلیٹ پہونچ جاتی تو اس کے بعد آپ اپنے لئے ناشتہ دان سے کھانا لے لیتے ۔

لباس ان کا لباس جب سے میں نے دیکھا ہے اکثر ململ کا کرتا یا پولسٹر کا کرتا سفید رنگ کا ، چوڑی مہری کا پائجامہ ، ڈھیلی شیروانی جس کو وہ تقریر کرتے وقت ہی پہنتے تھے ۔ مگر بٹن ہمیشہ کھلا رہتا تھا ۔ صدری کا استعمال ہر موسم میں کرتے ۔ آخری ایام میں سفید کرتا ، پولسٹر کا

سفید چوڑی مہری کا پائجامہ، سفید صدری یا گندمی صدری اور سفید ٹوپی نہایت صاف وشفاف زیب تن فرماتے، پاؤں میں اکثر سلیم شاہی جوتے نظر آتے ۔

نفاست پسندی آپ کی ہر ادا سے نفاست نمایاں تھی ۔ کپڑے ہمیشہ صاف پہنتے ۔ کبھی کبھی روزانہ اور عموماً ہفتہ میں تین بار کپڑے تبدیل فرماتے ۔

بعض حضرات نمائشی صفائی پسند ہوتے ہیں یعنی اوپر صاف کپڑا پہنتے ہیں اور نیچے میلی بنیائن ۔ جس کمرہ میں آپ رہتے بالکل سادہ مگر بالالتزام روزانہ صفائی کا نظم رہتا ۔ کھانے میں ہاتھ بہت کم آلودہ کرتے ۔ آخری دنوں میں اکثر چمچہ ہی سے کھالیتے تھے ۔

ان کی صفائی پسندی کا اثر ان کی تحریر میں بھی نمایاں ہے مسودہ ہمیشہ صاف اور سفید کاغذ پر لکھتے قلم ہمیشہ عمدہ قسم کا رکھتے ۔ اگر ڈاٹ پن ہے تو اس میں ڈاٹ بہت عمدہ رکھتے ۔

خودداری حضرت پاسبان ملت فطرتاً خوددار واقع ہوئے تھے اور حضور مجاہد ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی سرپرستی نے اور بھی اس میں جلا بخش دیا ۔ حضرت پاسبان ملت کی خودداری کا یہ حال تھا کہ بمبئی عظمیٰ میں بے شمار چاہنے والوں کی تمنا ہوتی کہ کاش حضرت میرے فلیٹ میں قیام کرتے مگر آپ کا حال یہ تھا کہ فتوحات منزل کا ایک چھوٹا سا کمرہ ہے ۔ زمین پر فرش بچھا ہوتا ، ملنے والے آتے رہتے جگہ کی تنگی کا یہ حال تھا کہ سکڑ کر بیٹھتے اور سارے ہندوستان کا جماعتی مسئلہ حل کرتے ۔

چند سال قبل حضرت پر فالج کا حملہ ناسک میں ہوا اور شدید

حملہ ہوا جس سے دماغ کی نسیں سکڑ گئیں۔ جسم کا آدھا حصہ بے حس ہو گیا۔ آپ کئی دنوں تک بے ہوش رہے۔ پروردگار عالم کا کرم ہوا کہ جماعت کے ایک ڈاکٹر کو صحت عطا فرمایا۔ میں نے علالت کے زمانہ میں دیکھا کہ آپ جمعیۃ العلماء کی عمارت میں قیام فرما ہیں یعنی بہت مجبوری کی حالت میں بھی دوسروں کا احسان لینا گوارا نہیں کرتے۔

خاکساری

آپ باوجود خوددار ہونے کے نہایت خاکسار طبیعت واقع ہوئے تھے۔ میں نے یہ دیکھا ہے کہ اپنے سے بہت چھوٹے ان کی بارگاہ میں پہونچتے یعنی جانے والا علم اور عمر کے اعتبار سے ان کے عزیز کے برابر ہوتا۔ مگر اپنے عزیزوں کے لئے بھی اظہار شفقت میں کھڑے ہو جاتے۔ اور ان کا استقبال کرتے۔ ایسا بھی میں نے دیکھا ہے کہ عمر میں بہت کم اگر ان کی نسبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا کسی درویش کامل سے ہے تو اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے۔ بزرگوں کے آستانوں کی چوکھٹ کو بوسہ دیتے، ان کی خاکساری اور عقیدت مندی کا عجیب مظاہرہ ہوتا تھا۔ ان کی خاکساری کا یہ عالم کہ کسی شہر میں اگر کوئی عالم عمر میں چاہے کتنا ہی چھوٹا ہو۔ اگر خبر ہو گئی کہ وہ کسی پریشانی میں ہے تو وہ خود ملنے جاتے۔ اس کی دل دہی کرتے اور اس کے لئے راحت کا انتظام کرتے۔

آپ ہمیشہ دوسروں کو سلام کرنے میں سبقت کرتے۔ اور ہمیشہ اپنوں سے نرم گفتاری کا مظاہرہ کرتے۔

عہد

واقف تو ہیں اس راز سے یہ دار و رسن بھی
ہر دور میں تکمیلِ وفا ہم سے ہوئی ہے



پاسبانِ ملّت کا عہد انقلاب آفریں ہے۔ ایک حکومت جا رہی ہے اور دوسری حکومت کا وجود ہو رہا ہے۔ ایک تہذیب رخصت ہو رہی ہے اور دوسری تہذیب آرہی ہے۔ انگریزوں کی شہنشاہیت ختم ہو رہی ہے اور عددی اکثریت کی بنیاد پر جمہوریت آرہی ہے۔ دانشور حضرات اس طرز حکومت کے لئے کہتے ہیں

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ از مغز دو صد خر فکر انسانی نمی آید

جمہوریت وہ طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

تحریک آزادی کے بانی مسلم علماء ہیں لیکن بعد میں کچھ اور حضرات اس تحریک میں شریک ہو گئے۔ سن ۱۹۴۰ء کے بعد کا زمانہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے بڑا انقلابی زمانہ تھا۔ آزادیٔ ہند کی تحریک پورے شباب پر آگئی تھی۔ کانگریس اور مسلم لیگ اپنے اپنے موقف کے لئے برسرِ پیکار تھے۔ مسلم لیگ کا مطالبہ پاکستان تھا۔ کچھ ہندو بھی چاہتے تھے کہ مسٹر جناح الگ حکومت لے کر چلے جائیں تاکہ مجھے آسانی سے سربراہی مل جائے۔ ہندوستان دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو رہا تھا۔

ہندوستان کی آزادی کا علَم سب سے پہلے مسلم قائدین نے بلند کیا۔

حضرت فضلِ حق خیر آبادی کی قیادت میں یہ تحریک شروع ہوئی۔ بعد میں ہندو رہنما بھی شریکِ سفر ہو گئے۔ لیکن مسلمان اخلاص کے ساتھ تن کوآپریشن میں پیش پیش تھے۔ انگریزوں نے مسلمانوں کو ہر طرح سے پسپا کرنا شروع کر دیا۔ دھیرے دھیرے ہندو مسلم اتحاد سے ایک عظیم طاقت کا مظاہرہ ہوا۔ اس اتحادی طاقت کا مقصد تھا کہ ہندوستان سے انگریزی حکومت کا خاتمہ ہو جائے۔ لیکن جیسے جیسے منزل قریب آتی گئی۔ اختلافات بڑھتے چلے گئے۔ اور اس حد تک بڑھے کہ پورا ہندوستان، ہندو مسلم فسادات کی لپیٹ میں آگیا۔ اور پاکستان و ہندوستان کا وجود تسلیم کر لیا گیا۔

اب یہ فطری سوال پیدا ہوتا ہے کہ تحریکِ آزادی میں حصہ لینے والے کس رہنما نے حضرت پاسبانِ ملت کو سب سے زیادہ متأثر کیا۔ جب ہم اس نہج پر پاسبانِ ملت کا مطالعہ کرتے ہیں تو مجاہدینِ آزادی کی لمبی فہرست نظر آتی ہے مگر جس قائد نے آپ کو سب سے زیادہ متأثر کیا وہ حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ کی ذات گرامی ہے جنھوں نے ملک کو برٹش سامراج کے غاصبانہ تسلط سے آزاد کرانے کیلئے جہاد کا فتویٰ صادر کیا۔ جس کے پاداش میں حکومت نے انھیں کالا پانی کی سزا دی۔ اور اس سے پہلے کہ ان کے شہزادے رہائی کا پروانہ لے کر جزیرۂ انڈمان پہونچتے آپ وطنِ عزیز کی عظمت کی خاطر اپنی جان کا نذرانہ پیش کر چکے تھے۔ ؎

جان ہی دیدی جگر نے ان کے پائے ناز پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

اسلام کے اس بطل جلیل کے لئے آپ کے دل میں کتنی عظمت ہے، ان کی اس تحریر سے اندازہ لگائیں:۔

حضرت علامہ فضل حق کی سیاسی زندگی

رگ و پے میں جب اترے زہرِ غم تو دیکھئے کیا ہے؟
ابھی تو تلخیٔ کام و جگر کی آزمائش ہے!

حضرت علامہ کا دور مسلمانوں کے حق میں بڑا ہی پرفتن دور تھا سات سو سال سے ہندوستان پر مسلمانوں کی حکمرانی تھی۔ تین سو سال سے سلاطینِ مغلیہ کا ڈنکا بج رہا تھا۔ لیکن ۱۷۵۷ء کی جنگِ پلاسی کے بعد اسے گھن لگ چکا تھا۔ ۱۷۹۹ء میں جنگ میسور اور سلطان ٹیپو کی موت نے مسلمانوں کا حوصلہ پست کر دیا تھا۔

۱۸۰۳ء میں فتح دہلی کے موقع پر لارڈ لیک کے معاہدے سے اس کے خاتمہ کی نوبت آگئی تھی۔ رہی سہی شان و عزت ۱۸۰۶ء میں اکبر شاہ ثانی کی جاتی رہی۔ علماء اور اولیائے اسلام اپنی روحانیت اور علم و عمل کے ذریعہ استحکامِ سلطنت میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ ہندوستان کی سیاست میں علمائے اسلام کا ہمیشہ سب سے بڑا ہاتھ رہا ہے۔ آخری دور میں مجدد الف ثانی سے لے کر مجاہد جلیل علامہ فضل حق خیرآبادی اور دوسرے مجاہدین ملت اور دوسرے سرفروشانِ امت پیش پیش

رہے اور آج بھی ملک کا باخبر حلقہ دیکھ رہا ہے جبکہ اراکین جمیعۃ علمائے ہند اسمبلی و پارلیمنٹ کی کرسیوں پر گورنمنٹ سے تنخواہ لے رہے ہیں۔ علامہ فضل حق کے علمی خاندان کا ایک کفن بر دوش رہنما جس کا نام (مجاہد ملت) مولانا حبیب الرحمٰن ہے وہ تحفظ ناموس رسول کی خاطر سلطان پور اور غازی پور کے جیل میں رسّی بٹ رہا ہے۔

یہی وہ علمائے اہلسنت ہیں جن کا نام تاریخ جہاد ہند میں ہمیشہ سنہری حرفوں سے لکھا جائے گا۔

ایک خونچکاں کفن میں ہزاروں بناؤ ہیں
پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پر حور کی

جس وقت علامہ دہلی سے بد دل ہو کر جھنجھر الور، ٹونک اور رام پور میں باعزت عہدہ سنبھالتے ہوئے ۱۸۴۸ء میں لکھنؤ میں حضور تحصیل کے مہتمم و صدر الصدور ہو گئے۔ بالاکوٹ کے حادثے نے قلب و دماغ پر بڑا اثر ڈالا تھا۔ لکھنؤ پہونچنے کے کچھ دن کے بعد ہی ہنومان گڑھی اجودھیا کا حادثہ فاجعہ پیش آ گیا۔ وہاں کے مہنتوں نے مسجد میں اذان دینا روک دیا تھا۔ کوئی بھولا بھٹکا مسافر اگر مسجد میں جا نکلتا تو مار پیٹ کر نکال دیا جاتا۔

غرض کہ جبر و ظلم اپنے شباب پر تھا۔ ۱۳ر ذی قعدہ ۱۲۷۱ھ مطابق جولائی ۱۸۵۵ء شام غلام حسین اور مولوی محمد صالح اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر جہاد پر آمادہ ہو کر ہنومان گڑھی پہونچے۔ بیراگیوں سے مقابلہ ہوا۔ قرآن شریف پرزہ پرزہ کر کے پاؤں سے مسلا گیا۔ جوتے پہن کر داخل مسجد ہو کر سنکھ بجائے گئے۔ دو سو انہتر مسلمان شہید ہوئے۔

اس خونی حادثہ پر سے

بے ساختہ آج ان کے بھی آنسو نکل آئے
دیکھا نہ گیا حال فقیرانہ کسی کا !!

علمائے دیوبند کی نظر میں وہی فضل حق انگریزوں کا پٹھو ہے اور مولوی اسماعیل دہلوی جنھوں نے انگریز دوستی میں لاکھوں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہا دیا۔ جن کے دامن پر نہ جانے کتنے بے گناہوں کے خون کے چھینٹے ہیں۔

اسی خون آلود دامن کو علمائے دیوبند اپنے پروپیگنڈے اور زور قلم سے پاک وصاف کرنا چاہتے ہیں۔ مگر یہ راز سربستہ اس وقت عیاں ہوگا جب قاتل خود ہی میدانِ قیامت میں یہ کہتا ہوا اٹھے گا۔

دامن کو لیے ہاتھ میں کہتا تھا یہ قاتل
کب تک اسے دھویا کروں لالی نہیں جاتی

ناظرین کی انصاف پسند نگاہ پر اعتماد وبھروسہ ہے کہ آپ حضرات نے اس مختصر سی تقریر کے بعد اپنے قلب وجگر کا فیصلہ کرلیا ہوگا۔ کہ مولوی اسماعیل دہلوی کی جنگ زرگری کو حضرت علامہ فضل حق کی تحریک جہاد سے کوئی واسطہ اور نسبت نہیں۔ مولوی اسمٰعیل افغانی پٹھانوں سے جنگ کر رہے تھے۔ اور انگریز بہادر یہاں سے سات ہزار کی ہنڈی بھیج رہے تھے اور حضرت علامہ جیسی بلند پایہ شخصیت جزیرۂ انڈمان میں کس مپرسی کے عالم میں عزم اور استقلال کی ایک تاریخ مرتب کر رہی تھی۔

سچ ہے دونوں اپنے پیچھے ایک تاریخ چھوڑ گئے مگر فرق اتنا ہے کہ مولوی اسمٰعیل کی تاریخ نے اقوامِ عالم کے سامنے قومِ مسلم

کی گردن جھکا دی۔ اور حضرت علامہ کی تاریخ نے ہماری علمی و قومی تاریخ کو سرفرازی بخشا۔

حضرت علامہ کی زندگی کے دو اہم پہلو ہیں۔ آپ کی علمی و ادبی زندگی دیکھ کر بوعلی سینا، غزالی، رازی اور امام ابوحنیفہ کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ اور آپ کے مجاہدانہ کردار سے حسین ابن علی کی مظلومیت کی خونی داستان آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ جیسے حسین کے بچپنے میں پیغمبر خدا، جبرئیل امین، علیؑ مرتضیٰ، سیدہ فاطمہ نے نازبرداری کی۔ مگر عمر کی آخری ساعت میں نبی کا لال مسافرت دیار پردیس میں بے یار و مددگار شہید کیا گیا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

مولانا شاہ امیر علی رحمۃ اللہ علیہ ساکن امیٹھی سے نہ رہا گیا اور مسلمانوں کو آمادۂ جہاد کیا جب کہ پانی سر سے اونچا ہو چکا تب واجد علی شاہ والیٔ لکھنؤ کو ہوش آیا۔ انہی دنوں مولانا فضل حق خیرآبادی مرد میدان ہو کر جہاد میں شریک ہوئے۔ لیکن حالات بد سے بدتر ہوتے گئے۔ رُدولی جاتے ہوئے راہ میں ۲۶ صفر ۱۲۷۲ھ مطابق ۷ا نومبر ۱۸۵۵ء بروز چہارشنبہ گوروں کی پلٹن نے گھیر کر مسلمانوں کو نماز ظہر باجماعت ادا کرتے ہوئے توپ کے گولوں سے شہید کر دیا۔ جو بچ رہے تھے ان کا تعاقب راجہ شیر بہادر سنگھ کے آدمیوں نے دس بارہ کوس تک کر کے چھ سو آدمیوں کے سر اڑا دیئے۔ سرمیدان کفن بر دوش دارم ۱۲۷۲ھ مادۂ تاریخ ہے۔

رسولی کے مجذوب نے وَاللہ علیٰ ذالک الشہید سے تاریخ نکالی۔

اسلامی حکومت میں خواہ اسلامی مسئلہ پر ۱۲۷۲ھ مسلمانوں کی اس بے دردی سے خون ریزی کی کہ

آسماں را حق بود گر خون بیبارد بر زمیں

آسماں تھرا اٹھا، زمین کو زلزلہ آگیا، خدا کا قہر لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل کی شکل میں نمودار ہوا۔ دوشنبہ ۴ رفروری ۱۸۵۶ء کو جنرل اوٹرم ریزیڈنٹ کپتان ہیزرور جنرل دیلہ گورنر جنرل کا عہدنامہ لے کر بادشاہ اودھ واجد علی شاہ کے پاس آیا اور معزولی کا حکم دیا۔ بادشاہ نے دستخط سے انکار کرتے ہوئے ہزار منت وسماجت کی۔ لندن تک کوشش کی لیکن بے سود ثابت ہوئی۔ یہاں تک کہ کلکتہ لے جاکر مٹیا برج میں بند کر دیا

"لکھنؤ خراب شد داویلا"

تاریخ نکالی گئی۔ غرضکہ اس طرح والیان اودھ کی مدت وزارت ۱۲۷۲ھ پینتالیس سال تین ماہ چوبیس دن اور مدت بادشاہت اکتالیس سال رہی۔ اور والیانِ اودھ اپنے پیچھے عیش پرستی کی ہزاروں داستانیں چھوڑ گئے۔

سلطنت اودھ کی بربادی میں سب سے بڑا ہاتھ نواب میر علی نقی کا تھا۔ امین الدولہ کی معزولی کے بعد ۱۹ ررجب ۱۲۶۳ھ مطابق ۹ رجولائی ۱۸۴۷ء کو یہ وزیر اعظم بنائے گئے۔ اسی کے اندرونی سازش کی بنا پر واجد علی شاہ کو یہ روز بد دیکھنا پڑا

جنگ پلاسی ۱۷۵۷ء کے بعد میر جعفر نے شاہ عالم کے ساتھ بھی ڈرامہ کھیلا تھا اور اسی طرح صوبہ بنگال ہاتھ سے نکل گیا دکن میں میر صادق نے ۱۷۹۷ء میں شیر میسور سلطان ٹیپو کو دغا دیکر

ہندوستان کے غلامی کا دائمی پٹہ انگریزوں کو لکھ دیا۔

جعفر از بنگال صادق از دکن !
ننگِ آدم ، ننگِ دیں ننگِ وطن !

خدا جانے میر علی نقی کو ڈاکٹر اقبال اس موقع پر کیوں ، بھول گئے۔

علامہ فضل حق کا بچپن جوانی اور کہولت دہلی میں گذرے۔ آخر میں لکھنؤ پہونچے۔ وہاں کی حالت دہلی سے بدتر پائی۔ آخر الذکر نے تو لٹیا ہی ڈبو دی تھی۔ مسجد منو مان گڑھی شہید ہو گئی۔ مجاہدین اسلام کفار کے ہاتھ خاک وخون میں لتھڑے انھیں واقعات سے متأثر ہوکر علامہ فضل حق لکھنؤ چھوڑ کر ۱۸۵۶ء میں الور چلے گئے مگر دل بے چین رہا۔ کہ اتنے میں کچھ شورش اٹھتی نظر آئی۔ دربار دہلی سے راجاؤں کے نام خطوط بھی روانہ ہوئے۔

علامہ نے راجہ الور سے بھی گفتگو کی۔ نیز اور راجاؤں سے لیکن وہ سب کے سب ایک مرکز پر اکٹھا نہ ہوسکے۔ اب مذہب عیسوی کی نشر واشاعت نے فرنگیوں کو بالکل بے نقاب کر دیا تھا۔ کارتوسوں کی چربی سے دل کا غبار آتش فشاں بن کر پھوٹ پڑا۔ اس نے بارود پر فلیتہ کا کام کیا۔ علامہ فضل حق الور سے نشر واشاعت کرتے ہوئے اگست ۱۸۵۷ء میں دہلی پہونچے۔ میرٹھ اور دوسری چھاؤنیوں میں کارتوسوں کا قبضہ زور پکڑ چکا تھا۔ گائے اور سؤر کی چربی کی آمیزش کی خبر سے ہندو اور مسلمان دونوں فوجیں بگڑ اٹھی تھیں میرٹھ سے دہلی پر باغی فوج نے ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو حملہ کر دیا۔ قتل وغارت، کا بازار گرم تھا۔ بادشاہ دہلی سرگرمیوں کے مرکز بنے۔

علامہ فضل حق بھی شریک مشورہ رہے منشی جیون لال کا روزنامچہ ۱۶ر اگست ۱۸۵۷ء ۲۶ر ستمبر ۱۸۵۷ء۔ ۷ ستمبر ۱۸۵۷ء دیکھنے سے علامہ فضل حق کی باخبری و انقلابی سرگرمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

آخر میں علامہ فضل حق نے ترکش سے آخری تیر نکالا بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں علماء کے سامنے تقریر کی اور استفتا پیش کیا۔ مفتی صدرالدین خاں، مولوی عبدالقادر، قاضی فیض اللہ، مولانا فیض احمد بدایونی، وزیر خاں اکبر آبادی، سید مبارک حسین رام پوری نے دستخط کر دیئے۔ اس فتویٰ کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی۔ دہلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہو گئی تھی۔ بادشاہ گرفتار کر کے قلعہ میں بند کر دیئے گئے۔ تین شاہزادوں کو قلعہ میں داخل ہوتے ہی گولی کا نشانہ بنا دیا گیا۔ اور ان کے سروں کو خوان پوش سے ڈھک کر خوان میں لگا کر بادشاہ کے سامنے بطور تحفہ پیش کیا گیا۔

علامہ دہلی سے ۲۶ر ستمبر ۱۸۵۷ء کو روانہ ہو گئے تھے۔

۱۹ر ستمبر ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستانیوں پر مصائب کے جو پہاڑ توڑے اس کی نظیر تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔ جن مظالم کو دیکھتے ہوئے دل لرزتا ہے، سینہ قلم شق اور جگر قرطاس پارہ پارہ ہوتا ہے۔ زندہ مسلمانوں کو سور کی کھال میں سلوا کر گرم تیل کے کڑھاؤ میں ڈلوانا، فتح پوری مسجد سے قلعہ کے دروازے تک درختوں کی شاخوں پر مسلمانوں کی لاشوں کو لٹکانا، مساجد کی بے حرمتی، جامع مسجد دہلی کے حجروں میں گھوڑوں کا باندھنا، حوض میں وضو کے پانی کی جگہ گھوڑوں کی لید ڈلوانا، ناقابل معافی و غیر ممکن تلافی جرم ہیں۔

اب قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو چکا تھا۔ علامہ فضل حق کو بھی باغی قرار دیدیا گیا۔ اسیر فرنگ ہو کر بند ہوئے ۱۲۷۵ھ مطابق ۱۸۵۸ء میں لکھنؤ کی عدالت میں مقدمہ چلا۔ علامہ کی ثبات و استقلال صداقت و حقانیت، بلند ہمتی و شیر دلی کے لئے مشیر العلماء وغیرہ کی عبارتیں کافی ہیں۔

۱۸۵۹ء میں فتوئ جہاد کی پاداش یا جرم بغاوت میں مولانا فضل حق ماخوذ ہو کر سیتاپور سے لکھنؤ لائے گئے اور مقدمہ چلایا گیا جج بار بار روکتا تھا کہ مولانا آپ کیا کہہ رہے ہیں مگر مولانا کے شان استقلال پر قربان جائیے۔ خدا کا شیر گرج کر کہتا ہے کہ وہ فتویٰ صحیح ہے اور میرا ہی لکھا ہوا ہے۔ اور آج اس وقت بھی میری وہی رائے ہے۔ مولانا کے اقرار و توثیق کے بعد اب گنجائش ہی کیا باقی رہ گئی تھی۔ چنانچہ عدالت نے حبسِ دوام بعبور دریائے شور (کالا پانی) کا حکم سنایا۔ علامہ نے بکمال مسرت و خندہ پیشانی اس سزا کو قبول فرمایا۔

یہی وہ مجاہد جلیل ہے جس نے سرزمین ہند پر آزادئ ہند کی داغ بیل ڈالی۔ بالآخر علامہ فضل حق جزیرہ انڈمان روانہ کر دیئے گئے اور ادھر مولانا عبد الحق اور مولوی شمس الحق مفتی انعام اللہ خاں، خواجہ غلام غوث وغیرہ نے میر منشی لفٹیننٹ مغربی کی معاونت سے اپیل داخل کر دی۔ علامہ کے جزیرہ انڈمان پہونچنے سے پہلے مفتی عنایت احمد کاکوروی، مفتی مظہر کریم اور دوسرے مجاہد علماء وہاں پہونچ چکے تھے۔ ان حضرات نے وہاں بھی تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا مفتی عنایت احمد نے علم الصیغہ جیسی فن صرف کی مفید کتاب جو آج تک داخل نصاب ہے وہیں لکھی۔ تاریخ حبیب الٰہ بھی جزیرۂ انڈمان

ہی میں لکھی گئی اور یہی اس کا تاریخی نام ہے۔ علامہ فضل حق نے بھی کئی مفید تصانیف لکھیں۔ علامہ اور ان کے ساتھیوں کو جزیرۂ انڈمان میں کیا کیا تکلیفیں جھیلنی پڑیں اور انھیں کیسے ذلّت آمیز برتاؤ سے سابقہ رہا۔ ان سب کا تذکرہ علامہ کے رسالہ الثورۃ الھندیہ میں موجود ہے۔

مولانا فضل امام کا شاہزادہ جو کبھی ہاتھی اور پالکی پر بیٹھ کر باپ کی آغوش محبت میں درس پاتا تھا۔ آج وہی جزیرۂ انڈمان میں اپنے سروں پر ٹوکرا اٹھا رہا ہے جسکو دیکھ کر بعض انگریز بھی آنکھ میں آنسو بھر لائے۔ ادھر علامہ کے صاحبزادے مولوی شمس الحق، اور خواجہ غلام غوث وغیرہ رہائی کی سعی میں جان توڑ کوشش کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ مولوی شمس الحق صاحب پروانۂ رہائی حاصل کر کے جزیرۂ انڈمان روانہ ہو گئے۔ وہاں جہاز سے اتر کر شہر گئے تو ایک جنازہ پر نظر پڑی جس کے ساتھ بڑا اژدحام تھا۔

ع عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کل ۱۲ ؍صفر ۱۲۷۸ھ ؍ ۱۸۶۱ء کو علامہ فضل حق کا انتقال ہو گیا۔ اب سپرد خاک کرنے جا رہے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولوی شمس الحق بھی بصد حسرت و یاس شریک جنازہ ہوئے اور بے نیل و مرام واپس لوٹے۔ ؎

قسمت کی بدنصیبی کہاں ٹوٹی ہے کمند

دو چار ہاتھ جبکہ لبِ بام رہ گیا

افسوس ہمیشہ کے لئے آفتاب علم و عمل دیار غربت میں غروب

ہو گیا۔ اب تک مزار مبارک مرجع انام و زیارت گاہ خاص و عام ہے اور
آج بھی قبر مبارک زبان حال سے کہہ رہی ہے ۔

تلک آثارنا تدل علینا
فانظروا بعدنا الی الآثار

مولانا عبداللہ بلگرامی لکھتے ہیں:

"فضل ان کے کفن میں ملفوف اور علم ان کے ساتھ
مدفون ہو گیا۔"

انسانیت مولانا فضل حق کے نام پر جس قدر بھی آنسو بہائے
کم ہے۔ ایک طرف مولانا فضل حق کی تاریخ دیکھئے کہ انگریزوں کے
جبر و ظلم سے سینہ چھلنی ہو گیا تھا۔ اور دوسری طرف مولوی اسماعیل
دہلوی کی تاریخ دیکھئے کہ ان کی جنگ میں شریک ہونے کے لئے مسلم
ملازمین کو حکومت کی طرف سے رخصت ملتی تھی۔ علامہ کے ساتھ
کہاں وہ ظلم و ستم اور مولوی اسماعیل دہلوی کے ساتھ کہاں یہ مروت
و رعایت۔ اب اس کا فیصلہ ناظرین کے ہاتھ ہے۔ کہ انگریزوں کا پٹھو
کون ہے۔ وہ فضل حق جو انگریزوں کے خلاف فتویٰ جہاد دے کر
مسلمانوں کو آبرومندانہ زندگی دینا چاہتا تھا یا مولوی اسماعیل دہلوی
جنھوں نے کلکتہ جامع مسجد کی تقریر میں یہ کہا تھا کہ انگریزوں پر اگر
کوئی حملہ آور ہوا تو اس سے پہلے ہم جنگ کریں گے تاکہ انگریز سرکار
کے دامن پر کوئی آنچ نہ آسکے۔

اور انھیں انگریز بہادر کے لئے مولوی رشید احمد گنگوہی نے
کہا تھا کہ "انگریزوں کا زمانہ امن و عافیت کا زمانہ ہے۔"
کاش اب بھی میرے احباب علامہ فضل حق کی تاریخ پر نظر ثانی

کرتے اور ان کے اس احسان عظیم کے سامنے اپنی گردنیں جھکا کر تاریخ کا صحیح جائزہ لیتے۔

علمائے دیوبند علامہ فضل حق کی تاریخ پر غبار ڈالنے کی ہزار کوشش کریں مگر اس زندۂ جاوید ہستی کا نام صفحات تاریخ سے کبھی مٹ نہیں سکتا۔ بالفرض تاریخ کو نذر آتش کر دیا جائے تو انسانی قلوب سے علامہ کی عظمت و عقیدت کو کون چھین سکتا ہے۔ جب تک اس آسمان کے نیچے اور سطح زمین پر انسان کی آبادی ہے اس وقت تک علامہ فضل حق کے فضل و کمال کا پرچم لہراتا رہے گا ؎

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں حق کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا

مجاہد جلیل حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کی علمی و مجاہدانہ زندگی کی یہ ایک مختصر و ناتمام داستانِ عبرت ہے۔ جس میں علامہ کے مختلف گوشہائے زندگی کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ وہ فضل حق جس کی تصانیف درس نظامیہ میں داخل کئے جانے کے قابل ہیں۔ کتبِ معقولات پر جس کے شروح و حواشی کو علماء اپنی آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ ہندوستان کا مانا ہوا شاعر مرزا غالب نے شعر و سخن میں جس کی اصلاح کو قبول کیا ہو۔

سرسید احمد خاں بانیٔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ و دیگر فاضل معاصرین نے جس فضل حق کو وقت کا امام و پیشوا سمجھا ہو۔ نواب یوسف علی خاں والی رامپور نے جس سے شرف تلمذ اختیار کیا اور محکمۂ نظامت بھی علامہ کے سپرد کر دیا ہو۔ نواب کلب علی خاں نواب رامپور

نے جسکی شاگردی پر فخر کیا۔ دلی سے روانگی کے وقت سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار مرزا ابوظفر بہادر شاہ نے علامہ کو اپنا دوشالہ اوڑھا دیا اور وقت رخصت آبدیدہ ہو کر کہا۔ چونکہ آپ جانے کو تیار ہیں میرے لئے بجز اس کے کوئی چارہ نہیں ہے کہ میں بھی اس کو منظور کر لوں۔ مگر خدا علیم ہے کہ لفظ وداع زبان پر لانا دشوار ہے۔ مرزا غالب نے بھی اپنے خط میں اس المناک درد و فراق کا تذکرہ کیا ہے۔

" واحسرتا! کہ آج اسی فضل حق کے دامن علم و ادب پر علمائے دیوبند کیچڑ اچھال رہے ہیں۔ اور صفحات تاریخ سے اس مرد مجاہد کا نام مٹا دینا چاہتے ہیں۔

کہاں حضرت علامہ فضل حق کا علمی رعب و جلال اور کہاں مولوی اسماعیل دہلوی جن پر خود علمائے دیوبند نے جاہل، ملحد، زندیق ، دین سے بے بہرہ ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ مگر افسوس کہ آج مولوی اسماعیل دہلوی کی تقویۃ الایمان جس کا ہر صفحہ توہین نبوت و تنقیص اولیا سے بھرپور ہے اس کو تو عین اسلام کہا جا رہا ہے اور حضرت علامہ کی تصانیف جن کی ہر ہر سطر میں علم و فن کے سینکڑوں نکات ہیں ان سے بے اعتنائی کا یہ عالم کہ صفحۂ تاریخ پر مصنف کا نام تک دیکھنا گوارہ نہیں اور میدان جہاد کا وہ سپہ سالار اعظم جس کو آزادی ہند کی خاطر گھر سے بے گھر ہونا پڑا۔ انگریز دشمنی میں جسکو جزیرہ انڈمان کی ناقابل برداشت سزائیں بھگتنی پڑیں۔ انگریز جیسے ظالم و سنگدل بھی جسکو دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے۔

فضل امام کا شاہزادہ فضل حق جو ہاتھی دپالکی پر چلتا تھا جو والیانِ ریاست اور شہنشاہِ وقت کا مخدوم و پیارا تھا جو آسمان علم وادب کا روشن ستارا تھا اور چمنستانِ علم وحکمت کا شاداب پھول تھا۔ وہ عمر کی آخری ساعتوں میں آزادیٔ ہند کی خاطر کس مپرسی کے عالم میں شہید کیا گیا۔ ایسے ہی خیال فرمائیے کہ دریائے شور کو میدانِ کربلا سے کتنی مناسبت ہے۔ ہاں دریائے فرات پر یزید نے پہرے بٹھا دیئے تھے اور یہاں فطرت نے خود پہرہ بٹھا دیا ہے۔ اور تاریخ کی اس مطابقت پر تو سر دھننے کو جی چاہتا ہے کہ جس طرح مسلم بن عقیل کی کوفہ میں جس دن شہادت ہوتی ہے اسی دن حسین ابن علی کی مکہ مکرمہ سے کوفہ کے لئے روانگی ہوتی ہے، ایسے ہی مولانا شمس الحق جس دن جزیرۂ انڈمان میں پروانۂ رہائی لے کر پہونچے ہیں تو سب سے پہلے باپ کے جنازہ پر نگاہ پڑتی ہے۔ شاید اسی موقع کے لئے کسی شاعر نے کہا ہے ؎

اے مالکِ بحر و بر یہ تقدیر ہے کیسی
راہوں میں تیری آ کے قضا کھیل رہی ہے

اے پروردگار عالم جب تک آسمان کے ستاروں میں چمک اور مرغزاروں میں کوئلوں کی کوک اور پپیہا کی ترنم صدائیں گونج رہی ہوں۔ اے کائنات کے پالنہار جب تک سمندر کی روانی اور سطح سمندر پر مچھلیوں کا کھیل کود ہو، اے خالق کائنات جب تک کائنات کی چہل پہل اور گردش میں لیل و نہار ہو، اے رب کریم جب تک صحنِ گلشن میں کلیوں کی مسکراہٹ، اور

پھولوں کے حسین قہقہے پر بلبلوں کی نوا سنجی ہو اس وقت تک امام المنطق والفلسفہ مجاہد جلیل حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک پر نیسرے رحم وکرم کے پھولوں کی بارش ہو۔ آمین[1]

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے
حشر میں شان کریمی ناز برداری کرے



---

[1] خون کے آنسو اول ص ۶۸ تا ۸۰

جس وقت سے انگریزی سامراجی طاقت مسلمانانِ ہند کا بے دریغ خون بہا رہی تھی اس پرفتن دور میں بھی علماء کا ایک ایسا حلقہ موجود تھا جو انگریزوں کی کٹھ پتلی بن کر ناچ رہا تھا اور حق وفاداری ادا کر کے خوش ہو رہا تھا۔ تاریخ جن کی انگریز دوستی پر مہر ثبت کر رہی ہے۔ پاسبانِ ملت نے اس موضوع پر ایک طویل کتاب لکھی ہے جس کا صرف ایک گوشہ پیش ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

یہ کوئی نئی بات نہیں ہے ع

"ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں"

کے مطابق تقریباً ہر صدی و ہر دور میں علمائے حق پر علمائے سوء اور دوسرے فرق باطلہ نے کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی۔ اور نت نئے طریقوں سے انھیں بدنام کرنے کے درپے رہے مگر حق و صداقت کے حاملین شر پسندی و اشتعال انگیزی کی بجائے خاموشی سے یہی کہتے رہے:

ادھر آؤ پیارے ہنر آزمائیں
تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

چنانچہ بھارت کی سرزمین بھی اسی تاریخ کو دہراتی رہی ۱۸۵۷ء کے غدر نے نہ صرف بساط سیاست کو پلٹ کر رکھ دیا بلکہ سلطنت مغلیہ کے زوال اور انگریزی سامراجیت کو استقلال و استحکام کی حد تک پہنچا دیا۔ انگریز ہندوستان میں افیون کی گولی کھا کر نہ آئے تھے بلکہ عقل و دانش کی عینک ان کی آنکھوں پر لگی تھی۔ ایک پردیسی

اور سات سمندر پار قوم کو ہندوستانی باشندوں پر راج کرنا تھا اس لئے فنکارانہ چابکدستیوں سے کام لیتے ہوئے اس نے بھارت کی مسلم سیاست پر اپنی نگاہ جمالی۔ چونکہ تخت و تاج مسلمانوں ہی سے لیا گیا تھا اسلئے سفید چمڑے والوں کو مسلم سیاست ہی سے اندیشہ تھا۔ چنانچہ انگریز اس ٹوہ میں پڑ گئے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی باگ ڈور کس کے ہاتھ ہے۔ اور اس سراغ رسانی میں اپنی انتہائی حسن تدبیر سے وہ اس منزل پر پہونچ گئے کہ گئے گذرے زمانے میں بھی یہاں کی مسلم اکثریت علماء اور صوفیاء کی عقیدت کیش ہے۔

اب یہ بات ناگزیر تھی کہ بھارت کے طبقۂ علماء و مشائخ کی چھان بین کی جائے اور امیر کارواں کے کاندھے پہ بندوق رکھ کر گولی چلائی جائے۔

انگریز خود سامنے آتے ہوئے گھبراتے تھے۔ چونکہ ابھی ابھی مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیل چکے تھے۔ ابھی تو ان کے ہاتھوں کی لالی اور دامن کی سرخی بھی نہ گئی تھی۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ بے نقاب سامنے آجاتے۔ اسلئے اب انھیں اسلامی سیاست کے خلاف جو کچھ کرنا تھا وہ جبّہ و دستار کی شکل میں کرنا تھا

شکار تو کرنا تھا مگر ٹٹّی کی آڑ سے

گویا ایسے صیاد کی تلاش تھی جو اس راہ کا آزمودہ کار ہو۔ چنانچہ اب انگریز کو بندوق رکھنے کے لئے کاندھے کی ضرورت تھی۔ یہاں تک یہ بات بے نقاب ہو کر رہی کہ اس وقت علمی فضل و کمال کے دو ادارے ہیں جن کا سکّہ ہندوستان میں چل رہا ہے۔ ایک ان میں ولی اللٰہی خاندان ہے۔ جو منقولات میں اہل علم و ادب سے

خراج عقیدت حاصل کر چکا ہے۔ اور دوسرا خاندان حضرت علاّمہ فضل حق خیرآبادی کا ہے اور ان کے متبعین یا انکے ہم خیال معاصرین کا ہے۔ جو معقولات میں اپنے فضل و کمال کے باعث ہندوستان کی زمین پر بادل بن کر چھایا ہے۔ گویا یہ طبقہ دینیات کو منطق و فلسفہ کی بھی عینک لگا کر دیکھنے کا عادی تھا۔ ع

درکفِ جامِ شریعت درکفِ سندانِ عشق

کا حامل تھا۔

مگر ان دونوں خاندانوں میں ایک نمایاں فرق یہ تھا کہ ولی اللّٰہی خاندان اس وقت چراغ سحری کی طرح ٹمٹما رہا تھا۔ گویا عہد رفتہ کی ایک یادگار تھا۔ اب ان میں پہلے جیسا کوئی صاحب فضل و کمال نہ تھا، جو ذی علم و ذی وجاہت تھے بھی وہ انگریزوں کے ہاتھ کٹھ پتلی نہ بن سکے تھے۔ اسلئے لے دے کر مولوی اسماعیل دہلوی پر انگریزوں کی نگاہ پڑی جو بڑے خاندان کی اولاد ہونے کی وجہ سے پوجے جارہے تھے۔ اور دوسری طرف علامہ فضل حق اور ان کے متبعین آسمانِ علم و ادب پر کہکشاں کا جمال بن کر چمک رہے تھے۔

انگریز حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی کی پیشانی پر اپنا مستقبل پڑھ رہے تھے کہ یہی وہ نڈر و بے باک مرد مجاہد ہے جس کے فتوے سے ہندوستان کی زمین پر زلزلہ آئے گا اور انگریزی حکومت یکلخت کانپ اٹھے گی۔ جس کے پاداش میں اسے قید و بند کی سختیاں بھی جھیلنی پڑیں گی۔ اور جزیرۂ انڈمان کی مسموم فضاؤں میں جھلسنا بھی ہوگا مگر غیرت و خودداری کا یہ پتلا اپنا فتویٰ واپس لینے پر آمادہ نہ ہوگا۔

چنانچہ اہل علم پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے، کہ

جزیرۂ انڈمان میں جس وقت حضرت علامہ فضل حق اپنے بستر موت پر تھے۔ اٹھنے بیٹھنے، کروٹ بدلنے سے مجبور رہتے۔ بغیر کسی کے سہارے بیٹھ نہ سکتے تھے۔ زندگی کا آخری وقت تھا، موت قدم چومتی ہوئی آرہی تھی اور حیات بلائیں لے کر رخصت ہو رہی تھی۔ زندگی کے ایسے نازک مرحلہ پر آپکی غیرت ایمانی کا ایسا سنگین امتحان لیا گیا۔ جس کی مثال شاذونادر ہی کہیں مل سکے گی۔ چنانچہ اسی کرب و اضطراب کے حالت میں ایک انگریز افسر آیا اور اس نے حضرت علامہ سے کہا، "اگر آپ محض اتنا فردیں کہ مجھے اپنے اس فتوے پر افسوس ہے جو میں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا ہے تو میں ابھی ابھی آپ کو رہا کر دیتا ہوں اور اپنے زیر انتظام آپ کے بال بچوں میں آپ کو پہنچائے دیتا ہوں۔

بستر مرگ کا وہ نحیف و ناتواں جو بیٹھ کر دوا پینے سے معذور تھا اتنا سنتے ہی گرج دار آواز کے ساتھ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور انگریز افسر سے فرمایا کہ مجھے ایسی ایک نہیں ہزار زندگی دی جائے تو فضل حق یہی کہے گا کہ انگریزوں سے جہاد فرض ہے۔

ٹیپو سلطان نے کتنی عمدہ بات کہی ہے کہ:

"لومڑی کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن
کی زندگی بہتر ہے۔"

پروردگار عالم حضرت علامہ کی قبر کو رحمتوں کے پھول سے بھر دے۔ جس نے اپنے آنے والی نسل کے لئے موت و زندگی کی ایک کشادہ راہ پیش کر دی۔ اسلئے انگریزوں کے لئے یہ راہ تو مایوس کن تھی کہ وہ حضرت علامہ یا ان کے شاہزادوں کی طرف

دوستی کا ہاتھ بڑھاتے یا قومی غداری کے لئے ایسے بیدار مغز و باغیرت سے رسم و راہ کی پیش کش کرتے ۔

لہٰذا اب انگریزوں کے سامنے صرف ایک ہی دروازہ تھا اور وہ مولوی اسماعیل دہلوی کا ایوان جدال تھا ۔

۲

دوسری وجہ یہ تھی کہ انگریز مولوی اسماعیل کے ڈھول کا پول بھی جانتے تھے اسلئے انھیں اور بھی جرأت ہوئی کہ ایسے دنیا طلب و اقتدار پسند کو بہلانا پھسلانا کچھ دشوار نہیں۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ مولوی اسماعیل کے علم کا لوہا مسلم نہ تھا بلکہ ان کی تہیدستی ویسے مانگے پر اہل علم مطلع تھے۔ محض بڑے باپ کی اولاد ہونے کی لاج رکھی جا رہی تھی۔ جیسا کہ میں آگے چل کر اس حقیقت کو بے نقاب کروں گا کہ خود علمائے دیوبند نے مولوی اسماعیل کو جاہل، ملحد، زندیق اور دین سے بے بہرہ ہونے کا فتویٰ دیا ہے ۔

۳

انگریز کو اس ارادے پر اکسانے کے لئے تیسری وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت علامہ اور مولوی اسماعیل دہلوی کے درمیان مسئلہ امتناع نظیر پر جھڑپ بھی ہو چکی تھی ۔ اسلئے مولوی اسمٰعیل دہلوی کو جامع مسجد دہلی کی بھری محفل میں خفّت و ندامت اٹھانی پڑی تھی اس لئے مولوی اسماعیل اور ان کے کیسہ پرور متبعین کے دل میں حضرت علامہ اور ان کے مخلص متبعین کی طرف سے انتقام کی آگ

بھڑک رہی تھی ۔ یہ لوگ کسی ایسے موقع کے منتظر تھے جسمیں دل کی بھڑاس
نکالی جا سکے ۔ گویا انگریز اور مولوی اسمٰعیل کے درمیان یہ بات قدر
مشترک تھی ۔ علامہ فضل حق کو بیخ و بن سے اکھاڑ کے پھینک دیا جائے۔
دونوں طرف سے آگ برابر لگی ہوئی تھی
کے مطابق یہی وہ متعدد وجوہ ہیں جنکی بنا پر مولوی اسماعیل دہلوی اور
انگریز بہادر کے درمیان دوستانہ معاہدہ ہوا۔ اور اس جماعت نے
اپنے کاندھے کو بندوق رکھنے کے لئے پیش کر دیا۔
اب مسلمانوں کا دین و ایمان لوٹنے کے لئے انگریز بہادر کو چور
دروازہ مل چکا تھا۔ چنانچہ اب وہ مسلمانوں کے سامنے کوٹ پتلون میں
ٹائی اور ہیٹ لگا کر نہ آتا بلکہ انھیں نام نہاد علماء کے جبہ و دستار چھپ
کر آتا۔ اب ہندوستان کی زمین ایک نئی آفت کا گہوارہ بن چکی تھی۔
زبان علماء کی ہلتی نظر آتی مگر بول سات سمندر پار کی ہوتی ۔ غریب
مسلمان کیا جانتا تھا کہ جبہ و دستار والے ہیں دن دہاڑے انگریزوں
کے ہاتھ بیچ ڈالیں گے مگر وائے حسرت و ناکامی یہ تو انگریز سے
پہلے ہی سودا بازی کر چکے تھے ۔

علمائے اہلسنت کی جلن اور ان سے بغض و حسد کے باعث
علمائے دیوبند کے سرکردہ افراد گراموفون کا ریکارڈ بن چکے تھے۔
انگریز جو سکھا پڑھا دیتے یہ لوگ وہی باتیں مسلمانوں کے سامنے اگل
دیتے۔ جیسا کہ آج تک ہوتا چلا آ رہا ہے ۔

للہ سوچئے اور انصاف و دیانت داری سے کام لیجئے کہ
ہندی مسلمانوں پر کس قدر ابتلاء و آزمائش کا دور تھا۔ مسلمان اپنے
ہی ہاتھ اپنا گھر پھونک رہا تھا ۔

اے چشم شعلہ بار، ذرا دیکھ تو سہی !
یہ گھر جو جل رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

مندرجہ بالا تمہیدی خاکے کے بعد نتیجے میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ طبقۂ علماء میں ایک گروہ علمائے اہلسنت کا تھا جن کی پیشانی پر انگریز دشمنی کا ٹیکہ لگا تھا۔ اور دوسرا گروپ علمائے دیوبند کے امام و مقتدا مولوی اسماعیل دہلوی کا تھا جن کے ماتھے پر انگریز دوستی کا لیبل لگا تھا مولوی اسماعیل کو انگریز دوستی پر اس قدر غرور گھمنڈ تھا کہ جس وقت انگریزوں کے اشارے پر میدان جنگ میں جا رہے تھے تو لکھنؤ سے گزرتے وقت صوفی عبدالرحمٰن صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ جو وجودی مسلک رکھتے تھے اور اپنے وقت کے خدا رسیدہ بزرگ اور ولی کامل تھے ان سے مولوی اسماعیل نے کہا کہ جنگ سے واپس آکر تمہاری خبر لوں گا۔

صوفی عبدالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کشف کے ذریعہ فرمایا یہ تو اس وقت ممکن ہے جبکہ جنگ سے تمہاری واپسی بھی ہوسکے۔

ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ اس جنگ زرگری میں کونسا جذبہ کارفرما تھا۔ ایک عامی اور سطحی انسان بھی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ مولوی اسماعیل اس جنگ کے بہانے انگریز بہادر کی خوشنودی حاصل کرکے علمائے اہلسنت سے انتقام لینا چاہتے تھے۔ اس مقام پر پہونچ کر اب مناسب یہ ہے کہ اس رائے پر تاریخی شہادت کی نہ مٹنے والی ایک مہر لگا دی جائے۔ بلکہ یہ معاملہ تاریخ ہی کے سپرد کر دیا جائے اور بات بہت ہی مستند ہو جائیگی کہ تاریخی شہادت کے دوش بدوش

علماءِ دیوبند کے بزرگوں کی تحریر سند اور حوالہ میں پیش کر دی جاسکے
تاکہ مجالِ انکار نہ رہ جائے۔

۱: حوالہ تذکرۃ الرشید حصہ اول صفحہ ۷۴ کی ایک عبارت ملاحظہ فرمائیے اور اندازہ کیجئے کہ علمائے دیوبند کے بزرگوں کا انگریز سے کیسا گہرا تعلق تھا۔

"بعض کے سروں پر موت کھیل رہی تھی انھوں نے کمپنی (انگریزی حکومت) کے امن و عافیت کا زمانہ قدر کی نگاہ سے نہ دیکھا اور اپنی رحمدل گورنمنٹ کے سامنے بغاوت کا علم قائم کیا۔"

فرمائیے کیا اب بھی علمائے دیوبند کو انگریز دوستی سے انکار ہو سکتا ہے۔؟ مولوی رشید احمد گنگوہی علمائے دیوبند کے مسلّم مقتدا و پیشوا ہیں۔ وہ کمپنی راج کو رحمدل گورنمنٹ سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ انگریز جو مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیل چکا ہو، جس نے مسلمانوں کی نعش درختوں پر لٹکا کر چیل کوّؤں سے نچوایا ہو، وہی انگریز جس نے مساجد کو گھوڑوں کی لید سے نجس کیا ہو۔ ہاں ہاں وہی انگریز جس نے شاہ ظفر کے ناشتے میں ان کے لڑکوں کا سر بھیجا ہو۔ وہ مولوی رشید احمد گنگوہی کی نظر میں رحمدل ہے اور اس کا زمانہ امن و عافیت کا زمانہ ہے۔

مذکورہ بالا تحریر کا یہ ٹکڑا بھی قابلِ توجہ ہے کہ:
"بعض کے سروں پر موت کھیل رہی ہے"
اس سے اشارہ ہوتا ہے حضرت علامہ فضل حق اور ان کے دوسرے رفقائے کار کی طرف۔ جن لوگوں نے انگریزی راج کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا تھا۔ یعنی اسوقت دو گروپ تھا۔ ایک مولوی

رشید احمد گنگوہی کا جو انگریزی راج کا خطبہ پڑھ رہا تھا۔ اور ان کا قدم جمانے کے لئے مسلمانوں کو بہلاوے دے رہا تھا۔ اور دوسرا گروپ حضرت علامہ کا تھا جو انگریزی سامراجیت کے خلاف نعرۂ جہاد بلند کر رہا تھا۔

سچ جانئے تذکرۃ الرشید کی یہ عبارت دیکھ کر مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا اور میں ایک گہری فکر میں ڈوب گیا کہ یا اللہ ایک طرف مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہہ رہا تھا اور دوسری جانب ایسے نام نہاد مولوی تھے جو انگریز بہادر کو رحمدل اور اس کے ظلم و ستم کو امن و عافیت کا نام دے کر مسلمانوں کی عزت و آبرو کا جنازہ نکال رہے تھے۔

ع قیامت کیوں نہیں آتی الٰہی ماجرا کیا ہے

کیا ملت اسلامیہ کی تاریخ میں اس سے بھی زیادہ کوئی گھنوناقومی غداری کا باب مل سکتا ہے؟

یہ ہیں علمائے دیوبند کے وہ امیر کارواں جو انگریز بہادر کے ہاتھ کٹھ پتلی بن چکے تھے۔ ابھی کیا ہے ع

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

تذکرۃ الرشید حصہ اول صفحہ ۸۰ کی دوسری عبارت ملاحظہ فرمائیے جو سراسر انگریز دوستی میں ڈوبی ہوئی ہے:

> جب میں حقیقت میں سرکار (برٹش) کا فرمانبردار ہوں ان جھوٹے سے میرا بال بھی بیکانہ ہوگا اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔

انگریز بہادر کے حضور فرمانبرداری ہو تو ایسی ہو۔ کہاں

خودسری و مطلق العنانی کا یہ عالم کہ جس کا نام
محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔
اور انگریز کے قدم پر سر بسجود ہوئے تو اس بری طرح کہ آپ ہی
اَن داتا ہیں۔ سرکار ہی مالک و مختار ہیں۔ جو چاہیں سو کریں۔
یہ ہے انگریز دوستی اور رسول دشمنی کا جیتا جاگتا مظاہرہ
یہ اللہ تعالےٰ کی لعنت و پھٹکار ہے کہ میرے مصطفےٰ کی بارگاہ سے
سرتابی کرنے والا، انگریز کو اپنا مالک و مختار بنائے اور انگریز کے
دامن میں اپنی زندگی کی پناہ ڈھونڈے۔
یہ وہ مقام ہے جہاں مولوی رشید احمد گنگوہی درس توحید
بھول بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی ذات سے اعتماد و توکل جاتا رہا۔
حالانکہ ایسے موقع پہ ایک مرد مومن کی بول یہ ہوتی ہے کہ انگریز اگر
دشمن ہے تو ہوا کرے میں اپنے پروردگار عالم کا مطیع و فرمبردار
ہوں۔ مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔ جو میرے رب کو منظور ہو گا وہی ہو گا
میرا سرِ نیاز رضائے الٰہی پر خم ہے۔ اس کی بارگاہ احدیت سے
سرتابی کی مجال نہیں۔ مگر گنگوہی صاحب فرماتے ہیں جی نہیں میں تو
برٹش گورنمنٹ کا فرمانبردار ہوں۔ اور انگریز بہادر ہی میرے مالک
و مختار ہیں۔ اب میری موت و زندگی انھیں کے ہاتھ ہے۔
اللہ تعالےٰ کی بارگاہ بیکس پناہ کو چھوڑ کر انگریز کے درواز
پر زندگی کی بھیک مانگی جارہی ہے۔ غلامی ہو تو ایسی ہو۔ وفاداری
ہو تو ایسی ہو۔

ذرا اور آگے بڑھئے:

ع محبت کے آگے مقام اور بھی ہیں

اب انگریز دوستی کی تیسری بھاری بھرکم شہادت ملاحظہ فرمایئے۔

۳ : حوالہ مکالمۃ الصدرین مرتبہ طاہر احمد قاسمی مطبوعہ رحمانی پریس محلہ گڑھیا۔ دہلی ص۸

> مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ناظم اعلیٰ جمیعۃ العلماء ہند دہلی نے کہا: الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کو ابتداً حکومت کی جانب سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ ملتا تھا پھر بند ہو گیا۔"

اب بات ڈھکی چھپی نہ رہ گئی کہ انگریز بہادر سے علماءِ دیوبند کا کس قدر مضبوط سانٹھ گانٹھ تھا۔ اسی کو کہتے ہیں "اقراری ڈگری" سیّاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا؟ جبکہ الیاسی، (تبلیغی) جماعت پر گورنمنٹ کا دست کرم ہے۔ اور گورنمنٹ کے سہارے یہ پھل پھول رہی ہے تو پھر تبلیغی جماعت والوں کو ملک کے طول و عرض میں چنا اور ستو لے کر کلمہ اور نماز کی دعوت دینے میں روپیئے پیسے کی فکر کیونکر لاحق ہو سکتی ہے۔ منی آرڈر تو گھر پہنچتا ہی جا رہا ہے مگر قوم کو دکھانے اور بہلاوا دینے کے لئے ستو کی گٹھری بغل میں دبی ہے۔" ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور ہوتے ہیں کھانے کے اور۔

کسی ایرے غیرے کا نہیں بلکہ مولوی حفظ الرحمٰن ناظم جمیعۃ العلماء ہند جیسے ذمہ دار کا اقرار ہے کہ مولانا الیاس کو تبلیغی تحریک کے لئے گورنمنٹ کی جانب سے روپیہ ملتا تھا۔ اب تو

ناظرین تبلیغی جماعت کی حقیقت سمجھ چکے ہوں گے کہ اس تگ و دو اور دوڑ دھوپ میں کس کی روح کار فرما ہے۔ بھلا بتلائیے تو سہی انگریز جیسے اسلام اور مسلمانوں کے دشمن کو محمدی کلمہ اور نماز کی نشر و اشاعت سے کیا تعلق؟

ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

کلمہ نماز اور نماز کے نام پہ جو گلی گلی کی خاک چھانی جارہی ہے اس میں گورنمنٹ کی رضاجوئی اور خوشنودی حاصل کرنی ہے۔ کسی نہ کسی معاملہ پر طرفین میں معاہدہ ہو چکا ہے۔ گورنمنٹ اسلئے روپیہ دیتی ہے کہ کلمہ اور نماز کی دعوت پر تم مسلمان کی رہنمائی اور پیشوائی کرو جب مسلمان تمھیں اپنا رہنما اور پیشوا مان لے گا تو کل ہمارے الیکشن میں تمہارا اشارہ کافی ہوگا۔ جدھر تمہارا ووٹ گرے گا اسی طرف تبلیغی جماعت کا جھکاؤ ہوگا۔ مسلمانوں میں تمہارا ڈکٹیٹر قائم رہے اور تمہارے واسطے سے مسلمانوں کا ووٹ ہمیں ملتا رہے۔ اور معاہدہ کی دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ تم مجھ سے روپیہ لے کر مسلمانوں کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لو۔ اور جب ان پہ قابو پاجاؤ تو اپنے تقدس، اتباع شریعت کا سہارا لے کر مسلمانوں میں نئے نئے عقیدے پھیلاؤ۔ اولیاء اللہ کی قبر پر جانے والوں کو بدعتی کہنا، یارسول اللہ کہنے والوں کو مشرک کہنا، میلاد و قیام کرنے والوں پر پھبتی کسنا، عرس و فاتحہ کرنے والوں کو منھ چڑھانا۔ تو مسلمانوں میں خود ہی پھوٹ پڑ جائیگی۔ اس طرح سے ہم تم دونوں کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ تم ایک ٹولی کے قائد ہو جاؤ گے۔ اور مسلمانوں کا افتراق و انتشار دیکھ کر

ہم بھی چین وسکون کی بانسری بجائیں گے۔ یہ ہے تبلیغی جماعت کا پس منظر اور اس کی دوڑ دھوپ کا نتیجہ۔

اب دو قدم اور بھی میرے ساتھ آگے بڑھئے اور دیکھئے تو سہی ع؎ پہنچا کہاں سے ہے کہاں سلسلۂ دراز عشق
چلئے ذرا تھانہ بھون کی سیر کریں اور مولانا اشرف علی تھانوی کی انگریز دوستی کا سربستہ راز معلوم کریں۔

۴ : علمائے دیوبند کی انگریز دوستی پر چوتھی شہادت

حوالہ۔ مکالمۃ الصدرین صفہ ۱۰و۱۱ کی عبارت ملاحظہ فرمائیے اور مولانا تھانوی کے انگریز بہادر سے قلبی تعلقات پر آفرین کہئے۔

> مولوی شبیر احمد صاحب دیوبندی صدر جمعیۃ الاسلام کلکتہ نے مولوی حفظ الرحمن صاحب کے جواب میں کہا کہ دیکھئے مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے اور آپ کے مسلم بزرگ و پیشوا تھے۔ ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ ان (یعنی مولانا تھانوی) کو چھ سو روپیہ ماہوار حکومت کی جانب سے دیئے جاتے ہیں

ع؎ ایں ہمہ خانہ آفتاب است

علمائے دیوبند جس کو دیکھئے اس کا دامن انگریز بہادر کے دامن سے وابستہ ہے۔ کیا اب بھی دماغ کے کسی حاشیہ میں شک و شبہ کی گنجائش باقی رہ گئی کہ علمائے دیوبند انگریز کے زرخرید غلام نہ تھے۔ انگریز اپنا حق ادا کر رہا تھا اور یہ جبّہ و دستار والے اپنا عہد و پیمان پورا کر رہے تھے۔

آخر شں یہ چھ سو روپئے ماہانہ کسی نہ کسی مقصد ہی کے پیش نظر دیئے جاتے تھے۔ اب کون انکار کرسکتا ہے کہ تقویۃ الایمان، حفظ الایمان بہشتی زیور، تحذیر الناس، فتاوی رشیدیہ، صراط مستقیم، جیسی شر انگیز کفر آمیز کتابیں انگریزی حکومت کے ایماء واشارے پر لکھی گئی ہیں۔ یہی وہ گندہ و پھوٹ کتابیں ہیں۔ جن سے ہندی مسلمانوں کا شیرازہ منتشر ہوا۔ اور مسلمانوں کے گھر کی اینٹ سے اینٹ بج گئی باپ سنی ہے تو بیٹا وہابی۔ بیوی مردوں کا فاتحہ دلانا چاہتی ہے تو شوہر طلاق دینے پر آمادہ۔

اور اگر شوہر محفل میلاد شریف کرنا چاہتا ہے تو بیوی نکاح فسخ کرانے کے لئے تیار شب برات کے حلوے اور عید کی سوئیں پر خانہ جنگی۔ یہی انگریز کی پالیسی تھی جس میں وہ سولہ آنہ کامیاب ہوا۔ انگریز اپنے ہاتھوں یہ کام انجام نہ دے سکتا تھا۔ اگر بہشتی زیور حفظ الایمان اور تقویۃ الایمان پر کسی عیسائی پادری کا نام ہوتا تو مسلمان ایسی کتاب کو درخور اعتنا بھی نہ سمجھتا۔ اسے دیکھنا تو درکنار اپنے ہاتھ میں لینا بھی گوارہ نہ کرتا۔ مگر جس کتاب کے ورق پر شہید وطن شیخ الہند مربی خلائق، حکیم الامت، حجۃ الاسلام، شیخ الاسلام جیسے فوق البھڑک خطابات و ٹائیٹل ہوں تو خواہی نخواہی ایک بار مسلمان اس کی طرف متوجہ ہو ہی جاتا ہے۔

چنانچہ انگریز کی فتنہ پرور پالیسی مسلمانوں کے گھر اسی چور دروازے سے داخل ہوئی۔ اور آج تک مسلمانوں کے بدن میں ناسور بن کر رہی ہے۔ رہی ہے۔

حضرات علمائے دیوبند کی یہی وہ کتابیں ہیں جن سے مسلمانوں کے گھر اختلافات کے سوتے پھوٹ پڑے اور نہ جانے۔ اختلافات کی

کتنی ندیاں اور نالے بہہ گئے۔ خدارا کوئی خیال تو کرے کس قدر حیرت کی
بات ہے کہ اگر آج شادی میں دولہا کو سہرا باندھ دیا جائے تو دیوبندی
مولوی شرک کا فتویٰ لئے حاضر۔ ارے ارے یہ کیا غضب ہو گیا۔
کوئی بتائے تو سہی کہ آخر شش سہرا اور شرک میں کونسا جوڑ رہے
آپ یہ نہ سمجھئے کہ یہ حضرات شرک و بدعت کی تعریف نہیں جانتے
جانتے ہیں مگر مشکل یہ آن پڑی کہ انگریز دوستی میں انھیں کی عبارتیں
انھیں کے حق میں، سانپ کے منھ میں چھچھوندر بن گئی ہیں۔ جو نہ
نگلتے بنے نہ اگلتے بنے۔
انگریزوں کو خوش کرنے کے لئے کہیں یہ لکھ مارا کہ عبدالنبی
غلام دستگیر، پیر بخش نام رکھنا شرک ہے۔ حالانکہ مولوی رشید احمدؒ
گنگوہی کے پدری و مادری دونوں نسب نامے میں یہ مشرکانہ نام موجود
ہے۔ کبھی شوق چرایا تو یہ لکھ دیا کہ میلاد تو ایسے ہی ہے جیسے کنھیا کا
جنم، حالانکہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ نے فیصلہ ہفت مسئلہ
میں تحریر فرمایا ہے کہ میں سال بسال محفل میلاد شریف منعقد کرتا ہوں۔
اور کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے میں لذت محسوس کرتا ہوں۔
علمائے دیوبند انگریز دوستی میں مسلمانوں کے ہر فعل پر شرک کی چھاپ
لگاتے گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج کوئی دیوبندی مولوی شرک
کی صحیح تعریف کر ہی نہیں سکتا۔ اور اگر کوئی دیوبندی مولوی شرک
کی ایسی تعریف کر سکتا ہے جس سے اس کے اکابر اس تعریف کی زد
میں نہ آئیں تو آج بھی میرا چیلنج ہے کہ کوئی بھی شرک کی جامع و مانع
تعریف کر کے مجھ سے پانچ سو روپئے کا انعام حاصل کرے۔
ایسی ضد کا کیا ٹھکانہ دین حق پہچان کر

ہم ہوئے مسلم تو وہ مسلم ہی کافر ہو گیا

علمائے دیوبند کی انگریز دوستی کے زیر عنوان میں نے جتنی بھی شہادتیں پیش کی ہیں ان سب میں حضرات دیوبند کا قلم کارفرما ہے جس سے وہ ایک لمحہ کے لئے بھی انکار نہیں کر سکتے۔ بایں ہمہ علمائے دیوبند کی دیدہ دلیری ملاحظہ فرمائیے کہ مولوی رشید احمد گنگوہی برٹش عہد کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور اس کو امن و عافیت کا زمانہ قرار دیتے۔ انگریز بہادر کو اپنا مالک و مختار سمجھتے۔

جناب تھانوی صاحب کی جیب چھ سو روپیہ ماہانہ سے گرم ہوتی رہی۔ اور مولوی الیاس صاحب کو کلمہ اور نماز کی تحریک چلانے کے لئے گورنمنٹ سے امداد ملتی رہی۔ ان حضرات کو مجاہد وطن اور سپہ سالار اعظم کہا جائے۔ اور مسلمانوں کو آبرومندانہ زندگی دینے اور ان کی عزّت و آبرو محفوظ رکھنے کے لئے وہ فضل حق جس نے دریائے شور کی مصیبتیں جھیلی ہوں۔ اس کو انگریز کا پٹھو اور نہ جانے کیا کیا کہا جائے۔ آخر کش کب تک اس قوم کو علمائے دیوبند تھپکیاں دے کر سلاتے رہیں گے۔ حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی کے ساتھ علمائے دیوبند نے جو زیادتی برتی ہے اس پر میری ہی آنکھ اشکبار نہیں بلکہ بعض ان کے بھی اس ناروا زیادتی کو برداشت نہ کر سکے۔

چنانچہ مولوی عبدالشاہد خاں صاحب شروانی ناظم جمعیۃ علمائے علی گڑھ باغی ہندوستان میں رقمطراز ہیں:

مقدمہ باغی ہندوستان

"مجاہد مولانا اسماعیل شہید کی سوانح حیات لکھنے والوں نے علامہ (فضل حق) کے ساتھ بڑا ظلم روا رکھا۔ رنگ آمیزی و بہتان طرازی سے بھی دریغ نہ کیا"

علالت و سفرِ آخرت

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

علالت اور سفر آخرت

ایک خطیب کی زندگی مسلسل تگ و دو کی زندگی ہوتی ہے۔ تقریر کے لئے رات میں جگنا اور پھر دوسرے پروگرام میں شرکت کیلئے دن میں سفر کرنا اس کا عام معمول بن جاتا ہے، خطیب مشرق تو اپنے معاصرین میں خطابت کی سب سے اونچی منزل پر فائز تھے اسلئے سال کے دنوں سے کہیں زیادہ ان کے پروگرام کی تعداد ہوتی تھی۔ ان کے سینہ میں ملت کا بے پناہ درد رکھنے والا دل تھا۔ جماعت کے فروغ کے لئے کچھ بھی کر گذرنے کا جذبہ بے کراں تھا۔

اس لئے خطیب مشرق ہر میدان میں نظر آتے کیسی دشمن رسول نے چھیڑ دیا تو میدان مناظرہ میں نظر آرہے ہیں، تعلیم دین کی ضرورت محسوس کی تو قیام ادارہ میں سرگرداں نظر آرہے ہیں، مسلک پر کسی نے قلم سے حملہ کیا تو کتاب لکھتے نظر آرہے ہیں، زبان سے حملہ کیا تو دفاعی تقریر کرتے نظر آرہے ہیں۔ نہ دن میں چین ہے نہ رات میں سکون ہے مسلسل سفر، انتھک جانفشانیوں کے سبب آپ کو بھر پور جوانی میں ہی درد گردہ کی شکایت ہوگئی۔ کبھی کبھی دل کا دورہ بھی پڑ جاتا تھا۔ ۳۰ سال قبل حضرت کے سینے میں شدید درد اٹھا جس کو ماہرین قلب نے کنٹرول کرنے کی کوشش کی۔ شروع میں درد کے وقفے طویل ہوتے تھے۔ کبھی کبھی تکلیف ہو جاتی تھی لیکن بعد میں رفتہ رفتہ وقفے کم ہونے لگے۔ اور درد کی تکلیف میں اضافہ ہو جاتا تھا مگر فضل الٰہی اور ماہرین قلب کی جد و جہد کے سبب آپ اس مرض سے بہت

حد تک صحت مند ہو گئے۔
ایک اہم تبلیغی جلسہ میں تقریر کے بعد آپ کو ایسا دورہ آیا کہ
سب لوگ رونے لگے۔ نبض بالکل ڈوب گئی تھی حضرت شیخ طریقت
حضور مجاہد ملت علیہ الرحمۃ اس وقت اس جلسے میں موجود تھے آپ بھی
رونے لگے اور حضرت پاسبانِ ملّت کے لئے آپ نے اور پورے
مجمع نے اخلاص کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں دعا کی۔ تو ڈوبی ہوئی نبضیں
ابھر آئیں۔

سفر میں کھانے پینے کے سلسلے میں کوئی معمول برقرار نہیں رہ پاتا
ہے جس کا لازمی نتیجہ معدہ کی خرابی ہے۔ حضرت پاسبانِ ملت کو اکثر دست
کا عارضہ رہتا تھا۔ قلب کا عارضہ بھی اخیر عمر تک رہا۔ آپ ہمیشہ اپنے
سفر میں دوا کا تھیلہ لے کر چلتے تھے۔ پاسبانِ ملّت کی عظمت کا اندازہ
اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اتنے امراض کے باوجود عزم مصمّم کے
پیکر نظر آتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ کی طبیعت بہت زیادہ علیل تھی، چلنا پھرنا مشکل
تھا۔ حضرت مجاہد ملت آپ کے حجرہ میں تشریف لائے۔ آپ دواؤں
میں گھرے ہوئے تھے۔ حضور مجاہد ملت نے فرمایا پالن حقانی آیا ہوا
ہے۔ شانِ رسالت میں گستاخیاں کر رہا ہے۔ اور اس کے کئی روز
پروگرام الہ آباد میں ہوں گے۔ آپ نے جب یہ سنا تو فوراً حضرت علامہ
انوار احمد نظامی صاحب کو بلایا۔ اور فرمایا کہ حضرت امین شریعت،
سلطان المناظرین علامہ رفاقت حسین صاحب شیخ الحدیث احسن المدارس
قدیم کو اور حضرت علامہ وصوفی نظام الدین صاحب امرڈوبھا کو بلایا
جائے۔ یہ حضرات تشریف لائے۔ ان بزرگوں کی تقریریں ہوتی رہیں

مگر پالن بھاگ نہیں رہا تھا۔ اسی علالت میں آپ نے تقریر شروع کی اور ایسے ایسے وار کئے کہ شہر کی فضا بدل گئی۔ پالن حقانی نے جو زہر پھیلایا تھا چند ہی تقریر میں عشقِ رسول اور محبت رسول کا ماحول برپا کر دیا۔

معالج کے کہنے کے مطابق نقل و حرکت کم کرنا چاہتے تھے مگر جب آپ نے تنقیص شانِ رسالت سنی تو اس کے خلاف پلاننگ کرنے لگے۔ چہرہ سے ضعف و نقاہت کا کوئی اثر ظاہر نہ ہوا۔ بلکہ ختم ہو گیا۔

رات میں دیر تک دفاع میں تقریر کرنا، رات بھر جاگنا اور دن میں پلاننگ کرنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حمیت دینی، اور عشقِ رسول کے درد و سوز کا اہم عنصر غالب تھا۔ جس کی وجہ سے آپ ایسے موقعوں پر ظاہری مسرتوں سے بے نیاز اور بے پرواہ ہو جاتے تھے۔ آپ کا ایسے حالات میں اضطراب جذبۂ محبت کی تفسیر تھی۔

ایسے کتنے ہی ایمان افروز اور شوق انگیز مناظر انگاہوں میں ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کیلئے اقبال نے کہا ہے اگرچہ آپ نے اقبال کو کبھی بھی پسند نہیں کیا۔ ؎

در دلِ مسلم مقامِ مصطفےٰ است
آبروئے ما زنامِ مصطفےٰ است
خاکِ یثرب از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

خصوصیت کے ساتھ مناظرہ کے میدان میں وارفتگی شوق

اور عشقِ نبوی کا نمایاں رنگ ہوتا ہے جس کے
کی ایک خاص کیفیت کے صحیح ترجمان نہیں ہو سکتے۔ مگر اس ادا کا اثر
لئے الفاظ محسوسات کی صحبت میں رہنا راسخ العقیدہ مسلمان ضرور ہو جاتا۔
یہ ہوتا کہ جو ان کی صحبت میں رہتا راسخ العقیدہ مسلمان ضرور ہو جاتا۔
وصال سے چند ماہ قبل مدینہ طیبہ کی حاضری کی تمنا اور حضوری کا
شوق بہت بڑھ گیا تھا۔ عمر کے آخری دور میں دیار حبیب صلی اللہ
علیہ وسلم کی تمنا اور اس کو اپنا مرکز تسکین قرار دینا آپ کے قلب و روح
کا تقاضا اور عشق رسول کی کشش تھی۔ خطیب مشرق جو بارگاہِ رسول کے
عاشق صادق تھے ان کے آخری خواہش کی عکاسی شاعر مشرق اس شعر
سے کر رہے ہیں :

گر فتم	رہ یثرب	یا یں پیری
عاشقانہ	سرور	نوا خواں از
صحرائے شام	در	چوں آں مرغے کہ
آشیانہ	فکرِ	کشاید پر نہ

فالج کا عارضہ :

اپریل ۱۹۸۷ء میں آپ ناسک (مہاراشٹر) میں ایک
عظیم جلسہ کو خطاب کرنے تشریف لے گئے۔ جلسہ کے بعد آپ کو
الہ آباد دار العلوم غریب نواز کا سالانہ اجلاس سرکار مدینہ کانفرنس میں
شرکت کے لئے آنا تھا۔ آپ نے اپنی تقریر پہلے کی۔ آپ وہاں
سے اسٹیشن تشریف لے آئے اور حضرت مولانا قاری تراب علی
صاحب کی تقریر کا اعلان کر دیا گیا۔ ٹرین کے آنے میں دیر تھی اس
لئے آپ کو معززین شہر نے ویٹنگ روم میں بٹھا دیا اور چائے کا

انتظام کیا۔ آپ نے جیسے ہی اپنے ہاتھ میں چائے کی پیالی سنبھالی،
پیالی سنبھل نہ سکی۔ اور آپ چند ہی منٹ میں بے ہوش ہوگئے۔ معززین
شہر نے فوراً مقامی ہوسپٹل میں داخل کیا۔ ناسک ہوسپٹل کے ڈاکٹروں
نے کنٹرول کرنے کی بہت کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ رات
ہی میں ادارۂ شرعیہ مہاراشٹر بمبئی میں فون کر دیا گیا کہ یہ حادثہ ہو گیا
ہے۔ جناب سلطان سیٹھ نے اور حافظ بشیر صاحب ناظم ادارۂ شرعیہ
بمبئی اور دیگر رفقاء فوراً ناسک پہونچ گئے۔ سلطان سیٹھ اپنی
گاڑی سے لے کر آئے۔ اور آپ کو بمبئی کے سب سے اچھے ہوسپٹل
جسلوک میں داخل کیا گیا۔ ماہرین فالج کی ایک ٹیم اتر پڑی۔ فوراً
ایکسرے لیا گیا۔ اور ماہرین نے دو دنوں کے اندر کنٹرول کر لیا۔ آپ نے
تیسرے دن اپنی آنکھیں کھولدیں۔ ٹیلیگرام، ٹیلیفون اور اخباری
خبروں کے ذریعہ پوری دنیا میں یہ خبر عام ہو گئی کہ حضرت پاسبانِ
ملّت پر فالج کا سخت حملہ ہوا۔ اور آپ جسلوک میں ایڈمٹ ہیں۔
اس خبر کو سننے کے بعد حضرت انوار احمد نظامی الہ آباد سے آگئے اور
ان کے ساتھ پاسبانِ ملّت کا پورا خاندان تھا۔
• الحاج بڈن صاحب بذریعۂ ہوائی جہاز بمبئی پہونچ گئے۔ جناب
سیٹھ عبدالمنان صاحب، سیٹھ مظفر صاحب، سیٹھ محمد سلیمان صاحب
انور علی صاحب رضوی بھیونڈی، سیٹھ ثناء اللہ صاحب، مولانا منصور علی
خاں صاحب، مولانا مقصود علی خاں صاحب، مولانا وارث جمال صاحب
مولانا کمیل اشرف صاحب، اور راقم الحروف بھی پٹنہ سے بمبئی پہونچ گیا۔
بے شمار فدایانِ نظامی بمبئی عظمیٰ پہونچ چکے تھے۔ اس وقت اپنی ملت
کے ایک عظیم محسن کی بارگاہ میں خراجِ محبت پیش کرنے کا منظر قابلِ دید

تھا۔ پاسبانِ ملت کے چاہنے والے کا ہجوم ممبئی میں پہونچ گیا۔ ان لوگوں کی مہمان نوازی اور انتظام میں پیش پیش حافظ محمد بشیر صاحب سیٹھ داؤد صاحب، سیٹھ سلطان صاحب اور حافظ لعل محمد صاحب تھے جنکی کاوشیں ہمہ وقت موجودگی اور انتظامی امور میں انہماک قابلِ تعریف ہے۔

ڈاکٹروں کی تحقیق و تشخیص کے مطابق آپ کا علاج مستقل، ۳ ماہ تک جسلوک میں ہوتا رہا۔ پاسبان ملت کے گھر کے سارے افراد ممبئی آگئے تھے۔ اس لئے حضرت علامہ سید کمیل اشرف صاحب کی وساطت سے حاجی علی درگاہ پر دو روم کا فلیٹ لیا گیا اور حضرت کو وہاں منتقل کر دیا گیا۔ وہ منظر بڑا دلگداز اور درد انگیز ہوتا تھا۔ جب قوم کا اتنا بڑا محسن کرسی پر ہوتا اور قلی کرسی لے کر سڑک سے درگاہ تک جاتے۔

پروردگارِ عالم کا کرم شاملِ حال رہا۔ حضرت تین ماہ کے بعد سفر کے قابل ہو گئے۔ آپ الہ آباد تشریف لے آئے اور کچھ ہی دنوں کے بعد پھر آپ نے سفر شروع کر دیا۔ آپ کو عرصہ سے یہ احساس تھا کہ جماعت اہلسنت کے پاس کوئی ایسا ادارہ ہوتا جو تحقیقات کا باقاعدہ انتظام کرتا۔ اس سلسلہ میں آپ نے مجلس علماء کی میٹنگ کا اہتمام کیا۔ جسمیں معمار فکر وفن حضرت علامہ شمس الدین جعفری جونپوری نے شرکت کی اور اس مجلس کی صدارت فرمائی۔ اس میٹنگ میں ہندوستان کے جید علماء، تجربہ کار اساتذہ اور عظیم دانشوروں کو یکجا کیا۔ اور یہ بات طے ہوگئی کہ دار العلوم غریب نواز کے ذریعہ تحقیقات کا کام انجام دیا جائے۔ مگر آپ کی مسلسل علالت کے سبب کام باضابطہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ آپ

نے مرض سے تھوڑے وقفہ کے بعد ہی یہ پلان بنا لیا تھا کہ اب جو بقیہ زندگی ہے وہ ادارہ تحقیقات کے لئے وقف کر دینا ہے مگر اس کے لئے ایک ادارہ کی ضرورت ہے جس سے سرمایہ دار متوسلین کا ذہن ہموار ہو جائے گا۔ اور سالانہ اخراجات کے لئے جتنی رقم کی ضرورت ہے وہ انشاء اللہ پوری ہو جائے گی۔ اس احساس سے متاثر ہو کر آپ پھر بمبئی، کرناٹک، گجرات اور کاٹھیاواڑ کے دورے کا پروگرام مرتب کر لیا۔ اور ایک ماہ سے زیادہ مسلسل دورہ فرماتے رہے۔ آخری پروگرام بمبئی کا تھا۔ آپ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ میں بمبئی سے واپس آگئے اس دورہ میں مولانا اشرف رضا قاضی ادارۂ شرعیہ مہاراشٹر آپ کے شریک سفر تھے۔

فالج کا دوسرا حملہ

۱۴۰۹ھ میں آپ نے کرناٹک گجرات کاٹھیاواڑ کا دورا فرکر جب ممبئی تشریف لائے تو ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ میں فالج کا دوسرا حملہ ہوا۔ بمبئی کے جاں نثار سیٹھ محمد داؤد، جناب حافظ محمد بشیر ناظم ادارہ شرعیہ نے فوراً اورلی نرسنگ ہوم میں داخل کیا۔ بمبئی کے ماہر معالجین سے رابطہ قائم کیا گیا۔ بیشتر ڈاکٹروں کے مشورہ کے مطابق ڈاکٹر مال پانی دو الا بلائے گئے۔ انھوں نے معائنہ کیا۔ ضروری تحقیق و تشخیص کے بعد علاج شروع کیا۔ ڈاکٹر نے بہت جلد مرض پر قابو پا لیا۔ آپ کی طبیعت سنبھل گئی۔ لیکن ڈاکٹروں کی تحقیق کے مطابق دماغ کو توانائی پہونچانے والی اہم رگوں نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اس کی وجہ سے قلب کی کارکردگی متاثر ہوتی اور بار بار تکلیف ہو جاتی تھی۔ پریشانی کے عالم میں اکثر

اپنے لوگوں کو یاد کرتے تھے ۔ راقم الحروف سے کئی بار فرمایا کہ مولانا منصور نہیں آتے ہیں ۔ ان کو بلا لیتے ۔ میں نے ان کو فون پر اطلاع دی ۔ اور سنی جمعیۃ العلماء میں بالمشافہ بھی کہا ۔ پھر آپ تشریف لائے ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ محرم کا مہینہ شروع ہو چکا تھا ۔ علماء کی تقریری کا ایک بڑا اہم مرحلہ ہوتا ہے جسے وہ ہر سال انجام دیتے ہیں جو سنیت کی ایک عظیم خدمت ہے ۔

مولانا اشرف رضا صاحب اکثر موجود رہتے ، مولانا وارث جمال صاحب مولانا قاری اطہر حسین صاحب بھی کئی مرتبہ عیادت کے لئے آئے ۔

سیٹھ عبدالمنان اور سیٹھ منظفر اپنے محسن کی بارگاہ میں اکثر اوقات حاضر رہتے اور نذرانۂ محبت پیش کرتے ۔ دوسرے حملے کے بعد ہاسپٹل کے اخراجات کے سلسلہ میں داؤد سیٹھ ، حافظ محمد بشیر ، سیٹھ سلطان سیٹھ عبدالمنان اور سیٹھ منظفر پیش پیش رہے ۔

ڈاکٹر مال پانی والے نے بتایا کہ اس مرتبہ اہم نسیں فالج کے حملہ سے سوکھ گئیں ہیں ۔ اسلئے کسی وقت بھی کچھ ہو سکتا ہے ۔ لہٰذا ان کو ایسی جگہ پر رہنا چاہیے جہاں سے طبیعت بگڑنے پر ڈاکٹر سے جلد از جلد رابطہ قائم کیا جا سکے ۔

جب مرض پر کنٹرول ہو گیا تو آپ نرسنگ ہوم سے تشریف لے آئے ۔ اور سیٹھ محمد داؤد کے گھر پر قیام فرمایا ۔ داؤد سیٹھ کے گھر پر قیام کے دوران مجاہد دوراں حضرت علامہ منظفر حسین صاحب کچھوچھوی بمبئی تشریف لائے ۔ انکی محبت اور دینی حمیت قابل دید تھی جیسے ہی سنا کہ حضرت پاسبان ملت پر فالج کا دوسرا حملہ ہو گیا ہے مگر ابھی افاقہ سے ہیں تو آپ بے چین ہو گئے اور فوراً ملاقات کی ۔ جتنی دوائیں ڈاکٹر نے لکھی تھیں آپ نے خود خرید کر پیش

کیا۔ اور حضرت علامہ سید شاہ کمیل اشرف صاحب کی وساطت سے انکے ایک معتقد کو لے کر آ گئے۔ ڈاکٹر نے بھی مشورہ دیا کہ آپ کو پھر کچھ دن دوسرے ماہرین سے تشخیص کرانا ہوگا۔

محرم الحرام سنہ ۱۴۱۰ھ میں پاسبانِ ملت حضرت مولانا نظامی صاحب مولانا منصور علی اور مولانا مقصود علی و حافظ لعل محمد صاحبان کی خواہش کے پیش نظر شہید اعظم کانفرنس (جو سنی جمعیۃ العلماء ۱۳ محرم کو روایتی شان و شوکت کے ساتھ کرتی ہے) میں شرکت فرمائی۔ اور آپ نے تقریباً ۴۰ منٹ جذباتی تقریر فرمائی۔ بارگاہ امام عالی مقام میں عقیدتوں کا خراج پیش کیا۔ سامعین کا کہنا ہے کہ بہت دنوں کے بعد ایسی تقریر سننے کو ملی ہے۔

مگر کیا خبر تھی کہ یہ زندگی کی آخری تقریر ہے۔ آپ رات کے ایک بجے کے قریب اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے۔ صبح سے آپ کی طبیعت متغیر ہونے لگی۔ آپ نے حافظ لعل محمد کو الہ آباد لے چلنے کا حکم دیدیا۔ آپ کے حکم کے مطابق وہ حضرت کو لے کر ۱۹ اگست سنہ ۱۹۹۰ء شام کی گاڑی سے الہ آباد کے لئے روانہ ہو گئے۔ ۱۰ اگست سنہ ۱۹۹۰ء کو ۱۲ بجے دن گاڑی جب اٹارسی پہونچی۔ تو آپ پر مرض کا شدید حملہ ہو گیا۔ یہ فالج کا تیسرا حملہ تھا۔ آپ کو یقین ہو گیا کہ اب صحیفۂ حیات کے اوراق ختم ہونے والے ہیں۔ زبان لڑکھڑانے لگی۔ آپ نے اس موقع پر بھی ملت کے وقار دار العلوم غریب نواز کے مستقبل کا خیال فرمایا۔ اور فرمایا کہ میری تین وصیتیں ہیں۔

۱:۔ حافظ لعل محمد آپ دار العلوم سے الگ مت ہونا۔ دار العلوم ٹوٹنے نہ پائے۔

۲:- مجھے دار العلوم کے اس کمرہ میں دفن کرنا جسمیں میں آخری ایام میں رہا کرتا تھا۔
۳:- قبر میں میرے سرہانے نسیم رحمت کا تیسرا حصہ رکھ دینا۔
آپ نے حافظ صاحب سے فرمایا کلمہ پڑھو۔ حافظ صاحب نے کلمۂ طیبہ لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ پڑھا۔ پھر قرآن شریف پڑھنے کی فرمائش کی۔ حافظ صاحب۔ جتنی سورتیں پڑھ سکتے تھے پڑھتے رہے۔ پھر درود شریف پڑھنے کو کہا۔ عاشق صادق نے اسم رسالت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اپنے والہانہ جذبہ کا اظہار کیا۔ انگوٹھے چومنے کی کوشش کی۔ کئی بار ہاتھ اٹھایا مگر ہاتھ اٹھ نہ سکا انگوٹھا آنکھوں سے نہ لگا سکے۔ پھر نظام نبض بے ترتیب ہو گئے۔ استغراق کی ایسی کیفیت طاری ہو گئی کہ حافظ صاحب کی عقل کام نہیں کر پا رہی تھی کہ کیا کریں کیا نہ کریں۔ دیدۂ حیرت زدہ دیکھ رہا ہے کہ اب آفتاب ہدایت لب بام ہے۔ ایسی پریشانی میں گاڑی جبل پور پہونچی۔ حافظ صاحب نے جبل پور سے الہ آباد دار العلوم غریب نواز میں ٹرنک کال کیا کہ حضرت بمبئی میل سے تشریف لا رہے ہیں۔ غشی طاری ہے"۔

اس خبر نے اعزہ اقربا، معتقدین متوسلین کو بے چین کر دیا۔ ۱۱ اگست ۱۹۷۵ء کو شب میں بے شمار انسان آپ کا استقبال کرنے کو بھیگی پلکوں کے ساتھ حاضر تھے۔ ایسا دل گداز منظر چشم فلک نے بہت کم دیکھا ہوگا۔

گاڑی ۱۲ بجے شب الہ آباد اسٹیشن پہونچی۔ آپ کے عزیز واقارب اور مولانا انوار احمد نظامی نے یہ طے کر لیا کہ فوراً الہ آباد کے سب سے اچھے نرسنگ ہوم میں داخل کیا جائے۔ اور ماہر ڈاکٹروں

سے علاج شروع کروایا جائے۔ آپ کو سب کے مشورے سے پریتی نرسنگ ہوم میں داخل کیا گیا۔ ماہر ڈاکٹروں سے تشخیص کرایا گیا اور باضابطہ علاج شروع ہوا۔ یہ خبر جیسے ہی عام ہوئی علمائے کرام کا کارواں الہ آباد کی سرزمین پر اترنے لگا۔ آنے والے علماء میں شارح بخاری نائب مفتی اعظم ہند علامہ مفتی شریف الحق صاحب صدر شعبۂ افتاء الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور، حضرت علامہ مفتی نظام الدین صاحب شیخ الحدیث، جامعہ نظامیہ خیریہ سہسرام، شہزادہ مفسر اعظم ہند حضرت علامہ قمر رضا خاں صاحب، استاذ العلماء حضرت علامہ مفتی محمد اعظم صاحب، صدر دارالافتاء منظر اسلام بریلی شریف، مفکر اسلام حضرت علامہ سبطین رضا خاں صاحب بریلی شریف۔ شہزادہ صدر الشریعۃ حضرت علامہ ضیاء المصطفےٰ صاحب شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور۔ مناظر اہلسنت مولانا منصور علی خانصاحب بمبئی۔ یادگار صدر الشریعۃ حضرت علامہ سید محمد ظہیر صاحب علی گڑھ۔ مولانا عبدالرزاق صاحب جبلپور۔ مولانا محمد حسین صاحب ابوالحقانی بدھوبنی، مولانا جہانگیر خانصاحب بھاگلپور، ادیب شہیر حضرت علامہ ضیا جالوی چیرمین ادارہ فروغ اسلام پٹنہ، مفکر ملت علامہ محمد حنیف قادری بستوی۔ خطیب اسلام حضرت علامہ محمد حسین صاحب استاذ جامعہ فاروقیہ بنارس۔ مولانا رئیس کوثر صاحب بہرائچ۔ علامہ بدر عالم مبارکپور۔ مولانا عبدالباری صاحب بمبئی۔ مولانا شہباز النور صاحب صدر مدرس احسن المدارس کانپور۔ مولانا سید آل رسول صاحب حبیبی اڑیسہ۔ مولانا عبدالرزاق صدر مدرس ریوا۔ مولانا صمید الحق منڈگوڑ مولانا نورالدین نظامی رام پور۔ حافظ صادق صاحب بنگلور۔ صوفی سیٹھ محمد نظام الدین صاحب بڑی مسجد مدن پورہ بمبئی۔ صوفی ذکریا صاحب

بجھدوہی۔ حضرت مولانا نیاز احمد صاحب بہریا۔ حضرت مولانا شمیم صاحب
حضرت مولانا محمد ابوالکلام صاحب پھولپور، جناب وکیل انیس احمد صاحب
ناظم اعلیٰ مدرسہ تعلیم الاسلام پھولپور۔ چیرمین صاحب مہارت گنج حضرت علامہ
قطب الاولیاء سید شاہ برہان احمد صاحب پٹنہ۔ حضرت مولانا
شبیہ القادری صاحب سیوان۔ راقم الحروف ٹیلی گرام ملتے ہی پہلی
گاڑی سے الہ آباد پہونچ گیا عوام وخواص کا ہجوم اپنے پاسبان ملت کے
دیدار کے لئے بیقرار تھا جو دیکھتا سکتہ طاری ہو جاتا۔ لوگ کہنے پر مجبور
ہو جاتے جو گفتگو کا تاجدار تھا وہ بالکل خاموش ہے۔ جو خطابت کا
بادشاہ تھا وہ بالکل چپ ہے۔ جو فکر وفن کا گوہر نایاب تھا وہ سکتہ کی
حالت میں ہے۔ وفور محبت میں بے شمار آنکھیں تھیں جو تر تھیں اور
اپنے محسن کے دیدار کے بعد ضبط غم نہیں کر پاتیں۔ وہ اضطراب بھی
ان کی محبوبیت کی عظمت کا مظاہرہ تھا۔

دن گذرتے گئے مگر افاقہ نہ ہو سکا۔ مولانا ولی محمد باسنی
راجستھان، مولانا شبیہ القادری صاحب سیوان، مولانا محمد شریف الرحمن
دارالعلوم شاہ جماعت کرناٹک، مولانا غلام محمد صاحب ناگ پور،
اور ملک وبیرون ملک کے متوسلین ومعتقدین برابر رابطہ قائم کئے رہے
ڈاکٹروں کی ساری ترکیبیں بے اثر رہیں۔ ۸۲ روز تک استغراق کی کیفیت
طاری رہی۔

۲۹ اکتوبر ۱۹۹۲ء ۸ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ بروز
دوشنبہ دن کے ساڑھے گیارہ بجے قفس عنصری کی
تیلیاں ٹوٹ گئیں اور طائر لاہوتی پرواز کر گیا۔"
(اناللہ وانا الیہ راجعون)

عزیز واقارب معتقدین ومتوسلین کو جب یہ یقین ہو گیا کہ اب حضرت ہم میں نہیں ہیں تو صبر وضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا سیل اشک پر امید موہوم نے جو بند باندھ رکھا تھا وہ بے اختیار بہنے لگا۔ ہر فرد کو اپنا ذاتی حادثہ محسوس ہو رہا تھا۔ جماعت اہلسنت کا عظیم نقصان اور نا قابل تلافی خسارہ عوام وخواص پر یکساں تحیر کا غلبہ نمایاں تھا لوگوں پر اپنی محرومی کے احساس سے کبھی گریہ طاری ہو جاتا تھا۔ جو جتنا قریب تھا اس کا احساس اتنا ہی زیادہ شدید تھا۔ اور یہ بھی احساس تھا کہ اس نعمت خداوندی کی جس شایان شان قدر کرنا چاہیے ہم نہیں کر سکے۔ حضرت پاسبان ملت کی تقریر سے بزم رشد و ہدایت پرسوز تھی۔ ایک عالم اس چشمۂ شیریں سے سیراب ہو رہا تھا۔ پاسبان ملت کی رحلت سے احسان وثروت عالمانہ وقار اور علمی تمکنت کا ایک عہد زریں تمام ہو گیا۔

ع آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

جو جگہ خالی ہو گئی ہے اس کے آباد ہونے کی اب کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ ہماری جماعت سے جو جاتا ہے اپنی جگہ چھوڑ کر جاتا ہے۔ اب اس خاکستر سے کوئی چنگاری اٹھے اور شعلہ بن کر دلوں کو گرما دے اس کی امید موہوم سے کم نہیں ہے۔

سرود رفتہ باز آید کہ ناید
نسیمے از حجاز آمد کہ نہ آید
سر آمد روز گارے ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ نہ آید

۲۹ ر ۳۰ ر اکتوبر ۱۹۹۰ء کی تاریخ ہندوستان کی سیاسی قسمت

کے فیصلہ کی تاریخ تھی۔ بابری مسجد کو منہدم کرکے رام مندر بنانے کا وشو
ہندو پریشد، بجرنگ دل اور شیو سینا نے جمہوریت کے خلاف، ہندوستانی
آئین کے خلاف، حکومت ہند کی طاقت کے خلاف اعلانِ بغاوت کیا۔
اور انہدام کی تاریخ ۳۰ر اکتوبر رکھا۔ پورے ہندوستان سے لاکھوں
غنڈے اجودھیا میں آگئے۔ ۲۹ر ۳۰ر تاریخ پوری دنیا کے امن پسند
انسانوں کے لئے چیلنج کی تاریخ تھی۔ اس لئے ہر آدمی ریڈیو اور ٹیلیفون
کے قریب بیٹھا رہتا۔ شام کی ۲۹ر کی نیوز میں آل انڈیا ریڈیو، اور
مقامی اسٹیشنوں سے پاسبان ملت کی رحلت کی خبر نشر ہو گئی۔
اگرچہ یو۔پی، بہار کے اکثر گاؤں میں کرفیو کا نفاذ تھا۔ اور ٹرین کی
آمدورفت بھی متاثر تھی اس کے باوجود اس اندوہناک خبر کو سنتے
ہی پورے ہندوستان کے عوام و خواص اشکبار آنکھوں سے اپنے
محسن کا آخری دیدار کرنے کے لئے بے اختیار ٹوٹ پڑے۔ کئی
صوبوں میں کرفیو اور الہ آباد شہر بھی فرقہ وارانہ فساد کی لپیٹ میں آگیا
تھا۔ شہر میں اکثر جگہوں پر کرفیو لگا تھا۔ اس کے باوجود ہزاروں
غم گساروں نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔
مفتئ شہر حضرت علامہ سید قاری مقبول حسین صاحب مدظلہ
نے دائرۂ شاہ اجمل کی جامع مسجد سے متصل نماز جنازہ پڑھائی۔
پھر ہزاروں سوگواروں کے ہجوم میں اور کلمۂ طیبہ کی گونج میں آپ کا
جنازہ آگے بڑھا مشرقی یو۔پی کی عظیم درسگاہ جو آپ کی علم دوستی
اور ملت کے فروغ کا فلک بوس ترجمان ہے اس کے پاس پہونچا
یہ موقع ولولۂ شوق کے مظاہرہ کا تھا۔ سارے سوگوار اپنے محسن کا
آخری دیدار پرنم آنکھوں سے کرنے لگے۔ رات ساڑھے آٹھ بجے

آپؒ کے جسدِ مبارک کو سپردِ خاک کیا گیا۔ قبر میں حضرت پیر طریقت علامہ سید مقبول حسین صاحب، علامہ مفتی شفیق صاحب، سید ناصر فاخری صاحب اور صوفی ممتاز قریشی وغیرہ نے اتارا۔

آپ اپنی عمر کے آخری دور میں دار العلوم کے فروغ کیلئے ہر لمحہ کوشاں رہتے اسلئے آپ نے اپنا ذاتی عالی شان محل چھوڑ کر دار العلوم غریب نواز کے مغربی اور مشرقی کونہ کے کمرہ میں رہائش اختیار کرلیا۔ آپ کو گہوارۂ علم و دانش سے ایسی انسیت تھی کہ وصال سے پہلے جو آپ نے وصیت فرمائی ان میں پہلی وصیت یہ تھی کہ مجھے دار العلوم غریب نواز کے اسی کمرہ میں دفن کیا جائے جس میں میں رہتا تھا۔ یہ وہی کمرہ ہے جس میں زندگی کے آخری ایام تک اپنے علم و دانش کی خیرات لٹاتے رہے۔ فکر و فن کے عطیات تقسیم فرماتے رہے۔ اور درس و تدریس کے گر سکھاتے رہے۔

مذکورہ کمرہ میں آپ کا مزار پُر انوار ہے جہاں روزانہ حفاظ کی ایک جماعت تلاوتِ قرآن کیا کرتی ہے اور زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

ابر رحمت تری مرقد پہ گہر باری کرے
حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے

فاضل مُصنّف کی دوسری تصانیف

۱۔ فقیہ اسلام
۲۔ سبیل الاذکار
۳۔ خورشیدِ رسالت
۴۔ البرہان۔

مطبع چار مینگ آفسٹ پرنٹرس
۲۴۳/۳-اے دائرہ شاہ اجمل - الٰہ آباد
فون :- ۵۳۸۰۵

زیرِ نگرانی
محمد فصیح الدین نظامی

اچھا

جب کسی معاملہ میں آپ کی شرعی گرفت کی جاتی ہے تو
آپ کہتے ہیں کہ ہم دینی باتیں نہیں جانتے۔

حالانکہ

طلب معاش کی فکر میں غیر دینی علوم کی تحصیل کیلئے آپ پریشان رہتے ہیں
کیا آپ نے یہ سمجھ لیا ہے کہ دینی امور سے اپنے آپ کو جاہل قرار
دینے کی وجہ سے آپ کو معذور رکھا جائے گا۔

جی نہیں

آپ کو ہرگز معذور نہیں رکھا جائے گا۔ اس لئے دینی
کتابیں پڑھیں اور ہماری خدمات حاصل کریں۔